کفارات کا اسلامی تصور اور اس کی عصری معنویت

تحقیقی مقالہ برائے **ایم۔ فل علوم اسلامیہ**

مقالہ نگار

زاہد خان

ایم فل علوم اسلامیہ

رجسٹریشن نمبر:2-M.Phil-IS-S20

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

دسمبر 2023

کفارات کا اسلامی تصور اور اس کی عصری معنویت

تحقیقی مقالہ برائے **ایم۔ فل علوم اسلامیہ**

<u>مقالہ نگار</u>

زاہد خان

ایم فل اسکالر علوم اسلامیہ

رجسٹریشن نمبر:2-M.Phil-IS-S20

<u>نگران مقالہ</u>

ڈاکٹر عافیہ مہدی

لیکچرار، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

نمل اسلام آباد

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

سیشن 2023_2020ء

بسم الله الرحمن الرحيم

منظوری فارم برائے مقالہ و دفاع مقالہ

(Thesis and defense approval form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا ہے اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **کفارات کا اسلامی تصور اور اس کی عصری معنویت**

<u>Translation of Title in English&Roman:</u>

<u>The Islamic concept of atonement and it's contemporary significance</u>

<u>Kaffarat ka islami tasawwor or is ki asri manawiat</u>

نام ڈگری: ماسٹر آف فلاسفی علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: زاہد خان

رجسٹریشن نمبر: 2-M.Phil-IS-S20

ڈاکٹر عافیہ مہدی
(نگران مقالہ) ____________________ دستخط نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی
(صدر، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت) ____________________ دستخط صدر شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

پروفیسر ڈاکٹر خالد سلطان
(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) ____________________ دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

تاریخ ____________

حلف نامہ فارم

(Candidate Declaration Form)

میں زاہد خان ولدیت: امان گل

رول نمبر:Numl-S20-558 رجسٹریشن نمبر:2-M.Phil-IS-S20

طالب علم، ایم فل، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز(نمل)اسلام آباد حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ مقالہ

بعنوان: **کفارات کا اسلامی تصور اور اس کی عصری معنویت**

The Islamic concept of atonement and it's contemporary significance

Kaffarat ka islami tasawwor or is ki asri manawiat

ایم فل علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور **ڈاکٹر عافیہ مہدی** کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کرایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

میں اس بات کو سمجھتا ہوں کہ ایچ ای سی اور نمل علمی سرقہ کے حوالے سے عدم برداشت کی پالیسی پر سختی سے عمل پیرا ہیں۔ اس لئے میں بطور مقالہ نگار اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ یہ میرا ذاتی علمی کام ہے۔ اس مقالہ کا کوئی حصہ بھی سرقہ شدہ نہیں ہے۔ اور میں نے جہاں سے بھی کسی علمی کام کو لیا ہے اس کا باقاعدہ حوالہ دیا ہے۔ میں اس بات کا بھی اقرار کرتا ہوں کہ اگر میرے مقالے میں کسی بھی قسم کا باقاعدہ علمی سرقہ پایا جائے تو یونیورسٹی میری ڈگری کو ختم کرنے / واپس لینے کا اختیار رکھتی ہے۔

نام مقالہ نگار: ____________

دستخط مقالہ نگار: ____________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

(ABSTRACT)

Title:**<u>The Islamic concept of atonement and it's contemporary significance</u>**

Atonement refers to the act of making amends for a wrong or harmful action, often through some form of reparation or apology. It can also refer to the process of seeking forgiveness or making up for one's mistakes or shortcomings, particularly in a religious or spiritual context.

The concept of expiation exists in all religions, through which a person can make amends for sins and mistakes. Islam is a complete code of life and a religion of nature, which also imposes various responsibilities on its followers for the reformation and training. If a sin is committed along with other actions, it is obligatory on a person who is obliged to make expiation to compensate for it. So that he can be free from his sins.

Islamic law has also played a fundamental role in the training of human beings by making Kaffara mandatory. That training consists of both physical and spiritual training. Through atonement, the human body is removed from the proximity of sin. The soul is saved from being contaminated by sin, due to which man is attracted to good things and saves himself from evil things. And for this reason, they themselves and other people are protected from its evil. By which peace and order is established in the society. It is through Kaffarah that other people realize that their rights should be fulfilled. There is a fear of violation of rights and a sense of responsibility for paying rights. Atonement is also a means of removing sins and raising the ranks. It is also important because there are many benefits associated with it. Those benefits are economic as well as social.

In this research I have discussed some ways according to the current time and situation to fulfill kaffara.I also mentioned some new types of kaffara and it's contemporarysignificance.

Apart from this, Kaffarah has many moral and spiritual benefits. The means to correct our social behavior and morals are very important and Kaffarah has all these benefits. The role of expiation in the correctness of morals is such that expiation is necessary for bad and wrong deeds.

Economically, Kaffarah has the effect that Kaffarah is given to the poor and needy, which is a cooperation and help with him as well as his financial support.

Keywords: Atonement, Kaffarah, Compensation for removing sins, contemporary significance etc.

فہرست عنوانات

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
1	مقالہ کی منظوری کا فارم	4
2	حلف نامہ	5
3	تلخیص مقالہ	6
4	فہرست عنوانات	8
5	اظہارِ تشکر	9
6	انتساب	10
7	**مقدمہ**	11
8	**باب اول: کفارہ کا تعارف**	15
9	فصل اول: کفارہ کا معنی و مفہوم	16
10	فصل دوم: کفارہ اور عبادات	21
11	فصل سوم: کفارہ اور معاملات	34
12	**باب دوم: کفارہ کی حکمتیں اور اس کے روحانی اور معاشرتی اثرات**	42
13	فصل اول: کفارہ کی حکمتیں اور مقاصد	43
14	فصل دوم: کفارہ کے اخلاقی اور روحانی اثرات	47

66	فصل سوم: کفارہ کے معاشی و معاشرتی اثرات	15
77	**باب سوم: سماجی تغیرات میں کفارہ کی ادائیگی کی صورتیں اور عصری معنویت**	16
78	فصل اول: سماجی تغیرات اور کفارات	17
86	فصل دوم: کفارہ کی ادائیگی کی صورتیں	18
93	فصل سوم: کفارہ کی عصری معنویت	19
98	خلاصۂ بحث	20
99	نتائج	21
102	سفارشات وتجاویز	22
103	فہارس	23
104	فہرست آیات	24
106	فہرست احادیث	25

اظہارِ تشکر

کفارات کا اسلامی تصور اور اس کی عصری معنویت کا تجزیاتی مطالعہ کرنا اور ان پر تحقیقی مقالہ لکھنا خاصہ مشکل امر تھا جو محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اسی کی بے پایاں مہربانی سے پایہ تکمیل تک پہنچا۔ اس پر میں جتنا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں کم ہے۔

میں ممنون ہوں اپنے والدین مکرمین اور خصوصی طور پر اپنے بھائی کا جنہوں نے اپنے تعاون اور مشفقانہ رہنمائی سے مجھے علوم اسلامیہ کی طرف مائل کیا۔ ان کی دعاؤں اور بے لوث محبتوں سے آج میں اس مقام پر ہوں۔ اللہ تعالیٰ انہیں صحت کاملہ اور عمر خضری عطا فرمائے۔

نگران مقالہ محترم **ڈاکٹر عافیہ مہدی صاحبہ** کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی مسلسل توجہ اور ہمہ وقت رہنمائی سے مقالہ لکھنا ممکن ہوا۔ استاذ محترم نے مفید مشوروں سے نوازا اور جہاں جہاں مقالہ میں اصلاح کی ضرورت تھی بڑے احسن انداز سے ان مقامات کی نشاندہی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمر میں مزید برکتیں عطا فرمائے۔

شعبہ علوم اسلامیہ جامعہ نمل کے تمام اساتذہ اور بالخصوص پروفیسر ڈاکٹر مستفیض علوی صاحب (صدر شعبہ اسلامی فکر و ثقافت)، استاذ محترم ڈاکٹر عبد الحئ صاحب، ڈاکٹر راو فرحان صاحب، استاذ محترم ڈاکٹر نور حیات خان صاحب، استاذ محترم ڈاکٹر امجد حیات صاحب اور ڈاکٹر ریاض سعید صاحب، ان سب کا تہہ دل سے ممنون ہوں کہ جنہوں نے اپنی خاص رہنمائی سے مقالہ کو مزید مفید بنایا۔

تمام اساتذہ کرام اور ان تمام اہل علم حضرات کا تہہ دل سے ممنون ہوں جن کی بروقت رہنمائی سے مقالہ کو مزید مفید بنانے میں مدد ملی۔

انتساب(Dedication)

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بعد جن کی اطاعت و فرمانبرداری فرض ہے اور جن کی دعائیں میرے لیے زادراہ اور سعادت دارین کا باعث ہیں، وہ میرے والدین ہیں۔ اپنی اس کاوش کو میں اپنے والدین مکرمین کی طرف اور اپنے اہل و عیال کی طرف منسوب کرتا ہوں، جن کی شفقت و محبت اور دعاؤں کی بدولت میں اس قابل ہوا ہوں۔

مقدمہ

موضوع کا تعارف : Introduction of the topic

اسلام دین فطرت ہے اور اسی نقطہ نظر سے وہ زندگی کے تمام شعبہ جات میں بنیادی اور اصولی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔رب العالمین نے اس عظیم الشان نظامِ حیات کی اصلاح کے لئے قرآن جیسی مقدس کتاب نازل فرمائی اور معاشرے میں نسل انسانی کی بقااور امن و آشتی کے قیام کے لئے اصول وضوابط فراہم کئے۔معاشرے کو بدامنی اور انتشار سے محفوظ کرنے اور انسانوں کو اخلاقی جرائم سے بچانے کے لئے اسلام کچھ قوانین وضع کرتا ہے انہیں قوانین میں سے ایک قانون کفارہ ہے۔

بنیادی طور پر کفارہ کا لفظ ک۔ف۔ر۔کے مادے سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے چھپانا۔کسان کو بھی کافر اسی نسبت سے کہتے ہیں کہ وہ بیج کو زمین کے اندر چھپا دیتا ہے۔اصطلاح شریعت میں کفارہ وہ چیز ہے جو گناہ کے اثرات کو زائل کر دیتی ہے اور اسے ڈھانپ دیتی ہے۔چنانچہ قرآن مجید میں ہے ذالک کفارۃ ایمانکم اذا حلفتم۔یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسمیں کھا لو۔گویا تاوان کے طور پر قربانی یا کوئی اور چیز دینے کو کفارہ کہتے ہیں کیونکہ یہ وہ چیز ہے جو گناہ کے اثرات کو زائل کر دیتی ہے اور اسے ڈھانپ دیتی ہے۔حدیث شریف میں ہے:ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ دونوں کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہے۔

شریعت اسلامیہ میں کچھ افعال مقرر کئے گئے ہیں جن کے ارتکاب کی صورت میں ان کو مٹانے یا چھپانے کی ضرورت ہے۔اللہ تعالی نے اس کے لئے مختلف کفارات مشروع کئے ہیں۔جو مختلف اسباب کی بنا پر واجب ہوتے ہیں۔

1. کفارۃ الیمین یعنی قسم کا کفارہ۔
2. کفارۃ قتل الخطا یعنی غلطی سے کئے جانے والے قتل کا کفارہ۔
3. کفارۃ الظہار یعنی ظہار کا کفارہ۔

تحقیق کی اہمیت: Significance of the study

کفارہ جہاں گناہ کے اتار کا ذریعہ ہے۔وہاں بلندی درجات کا ذریعہ بھی ہے۔کفارے کی اہمیت اس لئے بھی ہے کہ اس کے ساتھ ہمارے معاشی،معاشرتی،اخلاقی اور روحانی فوائد جڑے ہوئے ہیں۔وہ ذرائع جو ہمارے طرز معاشرت اور اخلاق کو درست کریں لازمی طور پر اہمیت کے حامل ہیں۔کفارہ ان ذرائع میں سر فہرست ہے جو ہمارے بہترین طرز معاشرت کے لئے مضبوط بنیادیں فراہم کرتا ہے۔اخلاق کی درستگی میں بھی کفارہ کا بہت اہم کردار ہے۔وہ اس طرح کہ برے اور نامناسب کاموں پر

کفارہ لازم آتا ہے۔ایک انسان کفارہ کی ادائیگی کے وقت یہ احساس کرلیتا ہے کہ آج مجھ سے جو غلط کام سرزد ہوا ہے میرا اخلاقی فرض یہ ہے کہ آئندہ اس طرح کی غلطی سے پرہیز کروں۔اس طرح کفارہ اخلاق کے سدھار کا ذریعہ بھی ہے۔کفارہ کا ہماری معیشت پر بھی گہرا اثر ہے۔وہ اس طرح کہ ہمیں کفارہ غریب اور مسکین کو دینے کا حکم ہے۔غریب کو کفارہ دینے سے ہمارا کفارہ ادا ہو جاتا ہے اور غریب کے معاش کا انتظام ہو جاتا ہے۔کفارہ کا روحانی فائدہ یہ ہے کہ انسان کی روح خوش ہوتی ہے اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔روح کفارہ کی ادائیگی سے مطمئن اس لئے ہوتی ہے کہ انسان اللہ کی طرف سے نازل کردہ شرعی حیلے کو پورا کرلیتا ہے جو گناہ کے اثر کو زائل کرنے کے لئے اتارا گیا ہے۔اس تحقیق سے کفارے کے معاشی، معاشرتی، اخلاقی اور روحانی اثرات و فوائد نمایاں ہوتے ہیں نیز عصری معنویت کے نقطہ نظر سے کفارہ کی وضاحت کی گئی ہے۔

موضوع کی وجہ انتخاب: Rationale of the study

موضوع تحقیق کے انتخاب کی بنیادی وجہ کفارہ کے حوالے سے مواد کی کمی اور کفارے کے پس منظر میں اس کے مقاصد اور مضمرات پر روشنی ڈالنا ہے۔

دوسری اہم وجہ مقالہ نگار کی ذاتی دلچسپی ہے۔

مقاصد تحقیق: Research objectives

- قرآن وحدیث کی روشنی میں کفارات کی اقسام کی وضاحت کرنا۔
- کفارہ کے مقاصد اور حکمتوں کی تحقیق۔
- عصر حاضر میں کفارہ کی مختلف صورتوں کی تطبیقی نقطہ نظر سے نشاندہی کرنا۔

تحقیقی سوالات: Research questions

- قرآن وسنت میں کفارات کا تصور کیا ہے؟
- قرآن وسنت کے مطابق کفارات کے مقاصد اور حکمتیں کیا ہیں؟
- عصر حاضر میں کفارات کی مختلف صورتوں کی تطبیق کیسے ممکن ہے؟

تحقیقی طریقہ کار: Research methods

- منہج تحقیق توضیحی اور تجزیاتی ہے۔
- اسلامی تعلیمات کے مطابق کفارات کے صحیح تصور کے لیے قرآنی آیات سے فیض یاب ہونے کے لیے بنیادی قرآنی تفاسیر (تفسیر قرطبی، احکام القرآن، تفسیر مظہری، روح المعانی، تفسیر ابن کثیر، تفسیر کبیر) کا مطالعہ کیا گیا ہے۔
- احادیث میں مذکورہ کفارات (کفارہ نذر، کفارہ صلاۃ) کی تخریج کے لیے صحاح ستہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔
- معاملات کے نقطہ نظر سے جن کفارات کا ذکر مقالہ ہذا میں کیا گیا ہے ان کی وضاحت کے لیے فقہ کی کتابوں (ہدایہ، کنز الدقائق، مجمع البحرین وغیرہ) سے استفادہ کیا گیا ہے۔
- مختلف ڈیجیٹل لائبریریوں (مثلا مکتبہ شاملہ، مکتبہ جبریل، مکتبہ المدینہ) سے استفادہ کیا گیا ہے۔

سابقہ کام کا جائزہ: Literature Review

کتب

1. کفارہ کا اسلامی تصور: ڈاکٹر محمد اویس معصومی

مقالہ جات

تحقیق سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ اس موضوع پر جزوی طور پر کام موجود ہے۔

1. تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی: معاشرتی معاملات میں کفارہ کا اسلامی تصور فقہاء مفسرین کی آراء کا تجزیاتی مطالعہ

مقالہ نگار: حافظ محمد ارشد اقبال

یہ تحقیقی مقالہ کفارات کے متعلق ہے، جس میں فقہاء و مفسرینؒ کی آراء کا تجزیاتی مطالعہ کیا گیا ہے۔

2. تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی، جامعہ الازہر: من "الکفارات والدرجات" في السنة النبوية

مقالہ نگار: أحمد وصفی محمد أحمد العزب

تبصرہ: اس مقالہ میں مقالہ نگار نے سنت نبویہ علی صاحبہا السلام کی روشنی میں کفارات کے متعلق احکامات درج کیے ہیں۔

آرٹیکلز

ا۔یہودیت، عیسائیت اور اسلام میں گناہ، کفارہ اور نجات کا تصور

محققین: محمد اعتزاز الحق،ڈاکٹر سلیم نواز، سدا حسین علوی

اس مقالہ میں محققین نے تصور کفارہ کو واضح کیا ہے اور مختلف ادیان یعنی یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان تصور کفارہ کو واضح کیا ہے لیکن کفارہ کی حکمتوں اور مقاصد کے حوالے سے یہ موضوع ابھی تک تشنہ بحث ہے۔ نیز کفارہ کے فوائد و اثرات کا موضوع بھی تحقیق کا تقاضہ کرتا ہے۔

تحقیق میں موجود خلا: Research Gap

تحقیق سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ زیر بحث موضوع سے متعلق جزوی طور پر کام ہوا ہے۔اور اسی طرح کچھ تحقیقی کام ایسے ہیں جن سے اس موضوع کے کچھ پہلوؤں کے حوالے سے رہنمائی ملتی ہے۔ کفارہ کے معاشی، معاشرتی،اخلاقی اور روحانی فوائد کو جامع طور پر تحقیق کے بعد پیش کرنے کے حوالہ سے تحقیق ابھی تک نہیں ہوئی ہے۔ کفارہ کے فوائدواثرات کے حوالے سے عصری بنیادوں پر بحث کی ضرورت ہے۔

تحدید موضوع:Limitation andDelimitation

مقالہ ہذامیں قرآن وسنت کی روشنی میں کفارہ کے تصور کی وضاحت کے ساتھ ساتھ عصری نقطہ نظر سے کفارہ کے فوائد وثمرات کی نشاندہی کرنامذکور ہے، نیز موجودہ تناظر میں اس کی ادائیگی کی صورتیں بھی بیان کی جائیں گی۔

باب اول: کفارات کا تعارف

فصل اول: کفارہ کا معنیٰ و مفہوم

فصل دوم: کفارہ اور عبادات

فصل سوم: کفارہ اور معاملات

فصل اول

کفارہ کا معنیٰ و مفہوم

کفارہ کی لغوی بحث:

لفظ کفارہ عربی زبان سے مشتق اسم ہے۔ اس کا مادہ (ک ف ر) ہے، کفارہ واحد ہے، اسکی جمع کفارات آتی ہے۔[1] اردو میں لفظ کفارہ اپنے اصل معنی و ساخت کے ساتھ بطور اسم استعمال ہوتا ہے۔ اردو میں کفارہ کے متعدد معنی ہیں مثلاً:

1۔ گناہ کے بدلے کی چیز،

2۔ گناہ کو دھو دینے والا عمل،[2]

3۔ کسی غلط کام کی تلافی کرنا،

4۔ کسی عمل کا بدلہ یا عوض[3]

کفارہ کا شرعی معنیٰ:

اصطلاح شرع میں کفارہ کا معنیٰ کسی گناہ کا عوض دینا جس سے گناہ، گناہ نہ رہے۔ کفارہ کہلاتا ہے۔

انگریزی میں کفارہ کا ترجمہ یوں کیا جاتا ہے۔

1. Penitence، توبہ کرنا، کسی عمل پر ندامت و پشیمانی کا اظہار کرنا۔

2.Penance: کفارہ ادا کرنا.

3.Expiation.، کسی غلط عمل کی تلافی کرنا، کفارہ ادا کرنا۔

4.Atonement.، تاوان بھرنا یا جرمانہ ادا کرنا۔

5. Byalmsfasting، خیراتی روزہ رکھنا۔

---

[1] ابن منظور، محمد بن مکرم الافریقی، لسان العرب، (ایران، نشر ادب الحوزۃ، 2005) 5/ 144

[2] الکاسانی، ابو بکر بن مسعود، البدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، (بیروت، دار الکتب العلمیہ، 2005) 5/ 95

[3] النووی، یحیی بن شرف، المجموع شرح المہذب، (جدہ، مکتبۃ الارشاد، 1860) 3/ 366

6. فارسی میں کفارہ کا معنی گناہ کا بدلہ (صدقہ، قربانی اور خیرات، روزہ وغیرہ۔)

"الکفارہ مؤنث لفظ ہے جس کا معنیٰ ہے وہ نیکی جو کسی گناہ کے بدلے میں کی جائے۔ مثلاً صدقہ یا روزہ جو کفارہ میں ادا کیا جائے ۔"

کفارہ کا مادہ:

کفارہ کا مادہ (ک، ف، ر) ہے کفر یا کفارہ کے معنی ہیں چھپانا۔ چنانچہ امام محی الدین ابن عربیؒ لکھتے ہیں:

"والکفر، الستر ومنه سمی الزراع کافرا لأنه یسترالبذر فی الأرض فیغطیه بالتراب"[1]

یعنی کفر چھپانے کو کہتے ہیں اور اسی لئے کسان کو بھی کافر کہتے ہیں کیونکہ وہ بیج کو زمین میں چھپاتا ہے اور اُس کو مٹی سے ڈھانپ دیتا ہے۔

اصطلاحی تعریف:

اصطلاح شریعت میں کفارہ ایسے فعل، خصلت یا عمل کو کہتے ہیں جو کسی غلطی، گناہ یا جرم کے بدلے میں اس لیے انجام دیا جائے تاکہ یہ عمل اُس غلطی، گناہ اور جرم کو چھپالے یا مٹا دے۔ چنانچہ علامہ مرتضی الزبیدی لکھتے ہیں کہ کفارہ ایسے فعل اور خصلت سے عبارت ہے جس کی اہمیت یہ ہے کہ وہ خطاؤں کو چھپالیتا ہے اور ان کو مٹا دیتا ہے اور کفارہ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ لہذا کفارہ کا معنی ہو گا کہ بہت زیادہ مٹانے اور گناہوں کو چھپانے والا عمل ہے۔[2]

علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں:

کفارہ سے مراد اس کا معنیٰ مصدری ہے اور وہ ایسا عمل ہوتا ہے جو خطاؤں کو چھپاتا اور انہیں مٹاتا ہے اور کفر سے مراد چھپانا ہے جو چیز مٹا دی جائے، وہ چھپی ہوئی چیز کی طرح نظر نہیں آتی ہے۔ اسی وجہ سے کفارہ کے آخر میں گول تاء (ة) آتی ہے۔[3] معلوم ہوا کہ کفارہ وہ عمل ہے جو خطا و گناہ یا جرم کے بعد ادا کیا جاتا ہے جس سے گناہ، خطا اور جرم مٹ جاتا ہے۔ گویا اس نے کبھی جرم یا گناہ کیا ہی نہیں ہے۔

---

[1] ۔ الامام، محمد بن علی، الفتوحات المکیہ، (بیروت، دار الکتب العلمیہ، 2006) 45/2

[2] ۔ الزبیدی، علی بن محمد، الجوھرۃ النیرۃ (لبنان، دار الکتب العلمیہ، 2006) 294/1

[3] ۔ آلوسی، شھاب الدین محمود، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم، (بیروت، دار احیا التراث العربی، 1902) ص:235

علامہ ابن حجر عسقلانی متوفی (۸۵۲) لکھتے ہیں: امام راغب اصفہانی نے کہا ہے کہ کفارہ وہ چیز ہے جو قسم توڑنے والا کرتا ہے اور یہ ظہار و قتل خطا میں بھی مستعمل ہے اور یہ تکفیر (مٹانے والا) سے نکلا ہے اور یہ گناہ کو چھپاتا اور ڈھانپ لیتا ہے تو وہ فعل ایسا ہو جاتا ہے جیسے کہ کبھی انجام ہی نہ دیا گیا ہو۔[1]

ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

"کفارات کو کفارات اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ گناہوں کو چھپاتے ہیں جیسے قسم کا کفارہ، ظہار کا کفارہ اور قتل خطا کا کفارہ۔[2]

امام محمود بن عمر الزمخشری متوفی (۴۸۰) لکھتے ہیں کہ کفارہ ایسا عظیم واہم کام ہے جو گناہوں کو چھپا دیتا ہے۔[3] اور یہ کفارہ کبھی روزہ کبھی کسی اور عمل کی ادائیگی سے انجام دیا جاتا ہے۔

لفظ کفارہ قرآن میں

لفظ کفارہ اپنی اصل شکل میں قرآن کریم میں ایک ہی سورہ میں چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے

﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ﴾[4]

ترجمہ: (اور ہم نے یہودیوں کے ذمہ تورات میں یہ بات مقرر کر دی تھی کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے پھر جو شخص اس کو معاف کر دے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے۔)

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ﴾[1]

---

[1]۔ العسقلانی، ابن الحجر، فتح الباری فی شرح البخاری (بیروت، دار الکتب العلمیہ، 2005) 1/326

[2]۔ الافریقی، ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، 2/26

[3]۔ الزمخشری، محمود بن عمر، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، (بیروت، دار الکتب العربی، 2008) 2/516

[4]۔ المائدۃ: 25

ترجمہ:(اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا دینا ہے۔ اوسط درجے کا جو اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑا دینا یا ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا ہے اور جس کو مقدور نہ ہو تو تین دن کے روزے ہیں۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے۔)

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ أَوْ عَدْلُ ذَلِكَ﴾[2]

ترجمہ:("اور جو شخص تم میں سے اس کو (وحشی جانور) جان بوجھ کر قتل کرے گا (احرام کی حالت میں) تو اس پر فدیہ واجب ہو گا جو کہ مساوی ہو گا اس جانور کے جس کو اس نے قتل کیا ہے۔ جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کر دیں۔ خواہ وہ فدیہ خاص چوپایوں میں سے ہو جو نیاز کے طور پر کعبہ تک پہنچایا جائے اور خواہ وہ کفارہ مساکین کو دیا جائے اور خواہ اس کے برابر روزے رکھ لیے جائیں۔")

لفظ "کفارہ" حدیث میں:

لفظ "کفارہ" قرآن مجید کی طرح احادیث میں بھی متعدد بار آیا ہے۔ کبھی مفرد، کبھی جمع، کبھی اسم اور کبھی بطور فعل استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں۔

" وتكرر ذكر الكفارة في الحديث اسماو فعلاومفردا وجمعا۔"[3]

ترجمہ:("حدیث میں کفارہ کا ذکر مکرر آیا ہے کبھی اسم، کبھی فعل، کبھی مفرد اور کبھی مرکب کے طور پر۔")

صرف بخاری شریف میں لفظ کفارہ بتیس (۳۲) مرتبہ استعمال ہوا ہے۔

بخاری شریف میں کفارہ مرض کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

(مَا مِنْ مُصِيبَةٍ تُصِيبُ المُسْلِمَ إِلَّا كَفَّرَ اللَّهُ بِهَا عَنْهُ، حَتَّى الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا[4])

جو مصیبت بھی کسی مسلمان کو پہنچتی ہے اللہ تعالیٰ اسے اس کے گناہ کا کفارہ کر دیتا ہے (کسی مسلمان کے) ایک کانٹا بھی اگر جسم کے کسی حصہ میں چبھ جائے۔ تو وہ بھی اس شخص کے گناہوں کے لیے کفارہ بن جاتا ہے۔

---

[1]۔المائدۃ: 989

[2]۔المائدہ: 95

[3]۔افریقی، ابن منظور، لسان العرب، ص:117

[4]۔البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح المسند المختصر من احادیث الرسول (بیروت، دار ابن کثیر، 2002) ح، 5640

اسی طرح بخاری شریف میں ایک اور مقام پر بھی کفارہ کا ذکر موجود ہے۔ جس میں مسجد میں تھوکنے کو گناہ بتایا گیا ہے اور اس گناہ کا کفارہ تھوک کو زمین میں دفن کر دینا ہے۔

(البزاقُ فِي المسْجدِ خَطِيئَةٌ وَكَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا[1])

مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ اسے (زمین میں) چھپا دینا ہے۔

بخاری شریف کی ایک حدیث قدسی میں بھی کفارہ کا ذکر ملتا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ہر عمل کا کفارہ ہوتا ہے۔اور روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔

(لِكُلِّ عَمَلٍ كَفَّارَةٌ وَالصَّوْمُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ وَلَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ[2])

ہر گناہ کا ایک کفارہ ہے (جس سے وہ گناہ معاف ہو جاتا ہے) اور روزہ خاص میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا اور روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بڑھ کر ہے۔

ہر عمل کے لیے کفارہ موجود ہے۔ مذکورہ بالا کفارات عبادات کے سلسلے میں ہو جانے والی غلطی کے لیے ہیں۔ ہر وہ عمل جو غلط طریقے سے سر انجام دیا گیا اس کے لیے کفارہ موجود ہے جو اس غلطی کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔ کفارہ ایک ایسا عمل ہے جو گناہ کے اتار کا ذریعہ بھی ہے اور اس کی ادائیگی پر ثواب بھی رکھا گیا ہے۔

---

[1]۔البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح المسند المختصر من احادیث الرسول، ح،415

[2]۔البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح المسند المختصر من احادیث الرسول، ح،7538

فصل دوم

کفارہ اور عبادات

عبادات کے ضمن میں جو کفارات عائد کیے گئے ہیں ان کی تفصیل درج ذیل نکات سے واضح ہے۔ عبادات میں کفارہ یمین، کفارہ صوم، کفارہ حج و عمرہ کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

کفارہ قسم

قسم کو عربی میں حلف اور یمین کہا جاتا ہے۔ جس کے معنی وعدہ کرنا یا کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے میں تاکید و پختگی اور استحکام پیدا کرنا ہوتا ہے۔[1]

ایک مسلمان قسم کے ذریعے اپنے سیاسی و سماجی اور معاشرتی معاملات و معاہدوں میں اپنے عزم وارادے پر اللہ کریم کو گواہ بنالیتا ہے۔ اس لیے اللہ پاک ان معاملات و معاہدوں کی تکمیل کا ضامن ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ کا حکم ہے۔

﴿وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ﴾[2]

ترجمہ: (اور اللہ کے ساتھ اپنا عہد پورا کرو جبکہ تم اسے باندھ چکے ہو اور قسموں کو اُن کے پختہ کر لینے کے بعد مت توڑو جبکہ تم اللہ کو اپنے اوپر گواہ بنا چکے ہو بے شک اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔)

اللہ کریم کا ارشاد گرامی ہے:

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ﴾[3]

ترجمہ: ("اللہ مواخذہ نہیں کرتا تمہاری لغو قسموں کا لیکن مواخذہ کرتا ہے اس قسم کا جسے تم نے مضبوط کیا۔ تو ایسی قسم کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا دینا اس اوسط سے جو اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو۔ یا انہیں کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا")

---

[1] ۔الافریقی، ابن منظور، لسان العرب، 11/148

[2] ۔النحل : 91

[3] ۔المائدہ : 12

چنانچہ علامہ محمود آلوسی لکھتے ہیں:

"والمراد بالمواخذة ، المواخذة فی الدنیا وھی الاثم والکفارة۔"[1]

ترجمہ:(یعنی اس آیت کریمہ میں مواخذہ سے مراد دنیاوی مواخذہ ہے اور وہ گناہ اور کفارہ ہے۔)

مواخذہ اور کفارہ صرف ان قسموں پر ہے جن کا حلف ہمارے علم میں ہو۔ جن قسموں کے اٹھائے جانے کا علم ہی نہ ہو ان پر مواخذہ اور کفارہ بھی نہیں ہے۔ چنانچہ امام ابو جعفر طبری متوفی(310) لکھتے ہیں۔

«هو أن تحلف على الشيء وأنت يخيل إليك أنه كما حلفت وليس كذلك، فلا يؤاخذكم الله، و لا كفارة، ولكن المؤاخذة والكفارة فيما حلفت عليه على علم»[2]

ترجمہ:(یمین وہ ہے کہ آپ کسی شئ کا حلف اٹھاتے ہیں اور آپ کا خیال یہ ہے کہ دوسرے شخص نے بھی آپ کی طرح کا حلف اٹھایا ہے جبکہ ایسا نہیں ہے تو اللہ کریم اس پر نہ مواخذہ کرے گا اور نہ کفارہ واجب کرے گا بلکہ مواخذہ و کفارہ ان قسموں میں ہے جن کے اٹھائے جانے کا علم ہو۔)

قسم کی اقسام

قسم کی تین اقسام ہیں۔

1۔یمین غموس 2۔یمین منعقدہ 3۔یمین لغو

1۔یمین غموس

اس جھوٹی قسم کو کہتے ہیں جو دھوکہ اور فریب کے لیے ہو۔ یہ اکبر الکبائر ہے لیکن اس پر کفارہ نہیں ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام برھان الدین ابوالحسن علی بن ابو بکر الفرغانی لکھتے ہیں۔

" هو الْحلف على أَمر ماض يتعمَّد الْكَذب فيه فَهَذه الْيَمين يأْثَم فيها صَاحبهَا وَلَا كَفَّارَة فيهَا إِلَّا التَّوبَة والاستغفار".[3]

ترجمہ:(یعنی یمین غموس وہ قسم ہے جو کسی گزرے ہوئے زمانہ میں گزشتہ کام پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم اٹھائی جائے تو اس قسم سے قسم اٹھانے والا گناہ گار ہو جاتا ہے اور اس کا کفارہ توبہ واستغفار ہے۔)

---

[1]۔آلوسی، شھاب الدین محمود، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم، ص:55

[2]۔الطبری، محمد بن جریر، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، (القاھرۃ، مکتبہ الاسلامیہ، 4/2001430)

[3]۔الامام، علی بن ابو بکر، الھدایہ، (لاہور، دار الکتب العلمیہ، 2011)2/173

2۔یمین منعقدہ

یمین منعقدہ وہ قسم ہے جو ارادہ و نیت کے ساتھ کسی معاملے یا معاہدے کی تاکید و پختگی کے لیے اٹھائی جائے۔اس کے توڑنے پر کفارہ ہے۔

چنانچہ امام علی بن ابو بکر لکھتے ہیں:

"والمنعقدة ما يحلف على امر في المستقبل ان يفعله او لا يفعله وإذا حنث فى ذالك لزمتة الكفارة – قوله تعالى ﴿وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ﴾[1]

ترجمہ:(یمین منعقدہ وہ ہے جو کوئی شخص مستقبل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں اٹھائے اور وہ قسم توڑے تو اس پر کفارہ لازم ہے کیونکہ اللہ کا فرمان ہے وہ اور تمہاری ان قسموں پر مواخذہ ہوگا جن کو تم پختہ کر لو۔)

3 ۔یمین لغو

یہ وہ قسم ہے جو بغیر ارادہ و نیت کے عادتا بات بے بات قسم اٹھائی جائے۔اس قسم پر مواخذہ نہیں ہے۔حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ لغو قسم کے متعلق فرماتے ہیں۔

"اللغو الحلف على المعصية -"[2]

(لغو قسم کسی گناہ کے کام پر قسم اٹھانا ہے۔بہر حال اس قسم پر کفارہ نہیں ہوتا ہے۔)

علامہ عبداللہ القرطبیؒ کے نزدیک قسم کی چار قسمیں ہیں، دو میں کفارہ ہے اور دو میں کفارہ نہیں ہے۔چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

قسمیں چار طرح کی ہیں۔دو قسموں میں کفارہ لازم ہوتا ہے اس کی مثال یوں ہے کہ کوئی شخص یوں قسم کھائے کہ اللہ کی قسم میں ایسا ایسا کام نہیں کروں گا تو وہ ایسا کر ڈالے تو اس پر کفارہ ہے۔اسی طرح کوئی شخص قسم اٹھائے کہ اللہ کی قسم میں ضرور ایسا ایسا کام کروں گا اور پھر وہ نہ کرے۔تو اس پر بھی کفارہ ہوگا، اور وہ قسمیں کہ جن میں کفارہ نہیں ہے اس کی مثال یوں ہے کہ کوئی شخص یوں قسم کھائے کہ اللہ کی قسم میں نے ایسا ایسا کام کیا ہے جب کہ اس نے وہ کام نہیں کیا ہے یا کوئی شخص قسم کھائے کہ اللہ کی قسم میں نے ایسا ایسا کام نہیں کیا ہے جبکہ اس نے وہ کام کیا ہو تو ان دونوں قسموں کے اٹھانے والوں پر کفارہ نہیں ہوگا۔[3]

---

[1]۔الامام، علی بن ابو بکر، الہدایہ، 2/174

[2]۔الطبری، محمد بن جریر، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، 2/448

[3]۔القرطبی، محمد بن احمد الخزرجی، الجامع لاحکام القرآن (لاہور، ضیاالقرآن پبلیکیشنز، 2012) 2/265

قسم میں کفارہ کب لازم آتا ہے؟

قسم اٹھانے سے کفارہ لازم نہیں آتا ہے بلکہ قسم توڑنے سے کفارہ لازم آتا ہے۔ پہلے جرم ہو گا پھر سزا دی جائے گی۔ چنانچہ امام محمود بن عمر لکھتے ہیں۔

"إنما تجب بالحنث في الحلف، لا بنفس الحلف۔"[1]

(کفارہ قسم میں حانث ہونے پر واجب ہوتا ہے۔ صرف حلف اٹھانے پر نہیں۔)

قسم توڑنا منع نہیں ہے

معصیت و گناہ پر اگر قسم کھالی جائے تو اسے توڑنا منع نہیں ہے بلکہ حلال ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ﴾[2]

"تحقیق اللہ نے تمہارے لئے قسموں کو توڑنا یا کھولنا حلال کر دیا ہے"۔

یعنی کفارہ ادا کر کے جس کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائی ہے وہ کام کر سکتے ہو، چنانچہ امام ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں۔

" قوله تحلة أيمانكم أى تحليلها بالكفارة"۔[3]

(اللہ کا فرمان کہ تمہارے لیے قسم کھولنا/ توڑنا حلال کا مطلب یہ ہے کہ کفارہ کی ادائیگی کے ساتھ حلال و جائز ہے۔)

حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبد الرحمن بن سمرہ سے فرمایا کہ

"تو کسی بات پر قسم اٹھالے اور تجھے لگے کہ جس کام پر قسم کھائی ہے اس کی بنسبت دوسرا کام زیادہ بہتر ہے تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کر اور وہ کام کر جو بہتر ہے۔"[4]

---

[1]۔ الزمحشری، محمود بن عمر، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، (بیروت، دار الکتب العربی، 1429) 1/414

[2]۔ التحریم: 2

[3]۔ العسقلانی، ابن الحجر، فتح الباری فی شرح البخاری، (بیروت، دار الکتب العلمیہ، 2005) 11/510

[4]۔ العسقلانی، ابن الحجر، فتح الباری فی شرح البخاری (بیروت، دار الکتب العلمیہ، 2005) 13/102

روزہ اوراس کا کفارہ

روزہ ایک ایسی عبادت ہے جو ایمان والوں پر فرض کی گئی ہے۔ارشاد باری تعالی ہے۔

﴿یا أَیُّھَا الَّذین آمَنُوا کُتبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتبَ عَلَی الَّذین مِنْ قَبْلِکُم لَعَلَّکُم تَتَّقُونَ﴾۔[1]

ترجمہ: (اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیئے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلے (لوگوں) پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیز گار بن جاو۔)

"وفي اللغة،الامساک عما تنازع الیه النفس"[2]

ترجمہ:اس چیز سے رک جانا جس کی طرف نفس کشش محسوس کرے اسے لغت میں روزہ کہتے ہیں۔

"وفي الشرع : عبادة من امساک مخصوص ، وهو الامساك عن الاكل والشرب والجمع من الصبح إلى المغرب مع النية "۔[3]

ترجمہ: شریعت میں کسی خاص چیز سے رکنے کا نام روزہ ہے اور وہ ہے کھانے پینے اور جماع سے صبح سے مغرب تک نیت کے ساتھ رکنا۔ قرآن کریم میں آتا ہے:

﴿ إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا ﴾[4]

ترجمہ:(میں نے رحمن کے لیے روزے کی نذر مانی ہے۔)

صیام اور صوم کا مادہ صام ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

فعلیه بالصوم فإن الصوم له وجاء[5]

ترجمہ:(تو اس پر روزہ رکھنا لازم ہے کیونکہ یہ اس کی شہوت ختم کر دے گا۔)

---

[1]۔البقرہ : 183

[2]۔البیضاوی،ناصر الدین،انوار التنزیل واسرار التاویل(بیروت،دار الکتب العلمیہ،2006) 1/107

[3]۔الجرجانی، محمد بن علی، التعریفات،(بیروت،دار الکتب العلمیہ،1983)ص: 139

[4]۔مریم: 26

[5]۔الترمذی، محمد بن عیسیٰ، الجامع الترمذی،(بیروت،دار التراث،2009)ح: 101

روزہ کی اقسام

باعتبار جنس روزہ کی گیارہ قسمیں ہیں۔ آٹھ قسم کے روزوں کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔ جبکہ تین قسم کے روزے سنت سے ثابت ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم سے ثابت شدہ آٹھ میں سے چار طرح کے روزوں میں تسلسل ضروری ہے اور وہ چار یہ ہیں:

1)صوم رمضان

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا" اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں، جس طرح تم سے پہلی اُمتّوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم متّقی اور پرہیز گار بنو۔ روزہ، اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک ہے۔ پورے رمضان المبارک کے روزے رکھنا ہر عاقل و بالغ مسلمان، مرد اور عورت پر فرض ہے۔

2)صوم کفارۃ الظہار

اصطلاح شریعت میں ظہار کے معنی یہ ہیں کہ: کوئی شخص اپنی بیوی کو یوں کہہ دے: "تو مجھ پر میری ماں یا بہن (یا کوئی اور محرم خاتون) جیسی ہے" اس کا حکم یہ ہے کہ اس لفظ سے طلاق نہیں ہوتی، لیکن کفارہ ادا کیے بغیر بیوی کے پاس جانا حرام ہے۔ اور کفارہ یہ ہے کہ دو مہینے کے لگاتار روزے رکھے اور اگر اس کی طاقت نہیں رکھتا تو ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کا کھانا کھلائے، تب اس کے لیے بیوی کے پاس جانا حلال ہو گا۔

3)صوم کفارۃ یمین

اس قسم کو کہتے ہیں کہ جو اللہ کے نام سے یا اس کی کسی صفت سے کھائی جاوے جیسا کہ واللہ' باللہ' تاللہ عربی میں اور اللہ کی قسم یا بخدا اردو میں اور اسی کو حلف کہتے ہیں۔ چونکہ خدا کے نام سے قسم میں قوت اور تاکید ہو جاتی ہے اس لیے اس کو یمین کہتے ہیں۔ ایسی قسم کا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے اگر یہ نہ ہو تو دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا کپڑے پہنانا ہے اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو پھر تین دن کے مسلسل روزے رکھنا ہے۔

یمین عرفی ایسی قسم جو لوگ عادتاً اٹھالیتے ہوں مثلاً کسی کی عمر و غیرہ کی قسم۔ اس قسم پر کفارہ لازم نہیں ہوتا

4)صوم کفارۃ القتل

کفارے میں مسلسل ساٹھ روزے رکھنا قاتل پر لازم ہو گا، کفارہ کے روزے میں اگر مرض کی وجہ سے تسلسل باقی نہ رہے تو از سر نو رکھنے پڑیں گے۔

آٹھ میں سے دوسرے چار وہ ہیں کہ جن میں اختیار ہے چاہے تسلسل سے رکھے جائیں یا متفرق ادا کر دیئے جائیں اور وہ یہ ہیں

1۔ قضاء رمضان

اگر کسی شخص کے رمضان کے روزے قضاء ہوں، تو وہ شوال میں بھی روزے رکھ سکتا ہے؛ البتہ بہتر یہ ہے کہ پہلے قضاء روزے رکھے۔

2 ۔ صوم فدیۃ الحلق

اگر کسی نے حلق یا قصر کیے بغیر احرام کھول دیا تو اُس پر دم دینا لازم ہے۔ احرام کھولنے سے مراد محض احرام کی چادریں اتارنا نہیں بلکہ اس میں اُن امور میں سے کسی امر کی انجام دہی بھی شامل ہے جو حالتِ احرام میں ممنوع ہیں، جیسے خوشبو لگانا، ناخن کاٹنا، جماع اور بوس وکنار کرنا، مرد کا سر کوڈھانپا، شکار کرنا وغیرہ۔ اس کے لیے روزہ رکھنا صوم فدیۃ الحلق کہلاتا ہے۔

3۔ صوم نکاح المتعۃ

نکاح متعہ، عربی : نکاح المتعۃ (جسے عرف عام میں متعہ یا صیغہ کہا جاتا ہے؛ ولی (شہادت) کی موجودگی یا غیر موجودگی میں ہونے والا ایک ایسا نکاح ہے جس کی مدت (ایک روز، چند روز، ماہ، سال یا کئی سال) معین ہوتی ہے جو فریقین خود طے کرتے ہیں ۔ اس نکاح کے کفارے کے لیے رکھے جانے والے روزے صوم نکاح المتعہ کہلاتے ہیں۔

4۔ صوم جزاء الصید

اس سے مراد وہ روزہ ہے جو محرم پر شکار کرنے کی وجہ سے لازم آتا ہے۔

سنت سے ثابت شدہ روزے یہ ہیں:

1۔ صوم کفارۃ الفطر في رمضان

اس سے مراد وہ روزہ ہے جو ایک شخص رمضان میں روزہ توڑنے کے نتیجے میں رکھتا ہے۔

2۔ صوم التطوع

اس سے مراد نفلی روزے ہیں۔ جیسے شعبان کے مہینے کے روزے اور محرم کے روزے وغیرہ۔

3۔ صوم النذر

اس سے مراد نذر یا منت کا روزہ ہے۔ نذر منعقد ہو جانے پر شرعاً اب اس نذر کا مکمل کرنا لازم اور ضروری ہے، لہذا مذکورہ شخص کے لیے شرط کے پائے جانے کی وجہ سے نذر کے روزے رکھنا لازم ہے، اگر بغیر عذر کے نذر مکمل نہیں کرتا تو گناہ گار ہو گا، جب تک صحت ہے اسے نذر پوری کرنا ہو گی۔ البتہ اگر بیماری کی وجہ سے روزے رکھنے سے قاصر ہو اور آئندہ بھی صحت کی

کوئی امید نہ ہو تو اس صورت میں روزوں کے بجائے فدیہ ادا کرنا ضروری ہو گا، اور ایک روزے کا فدیہ ایک صدقہ فطر کے برابر ہے۔

روزے کے کفارہ کا سبب

کفارہ صرف رمضان المبارک کے روزے کی حرمت کو پامال کرنے کی وجہ سے لازم آتا ہے۔ ورنہ غیر رمضان میں چاہے وہ روزے قضائے رمضان کے ہوں۔ اگر کسی نے روزہ توڑا تو اس پر قضاء ہے کفارہ نہیں۔ چنانچہ ابن نجیم لکھتے ہیں

"دراصل کفارہ رمضان المبارک کی حرمت پامال کرنے کی وجہ سے لازم آتا ہے۔"[1]

جب کوئی مسئلہ مشکوک ہو جائے اور اس کے اندر ایک گنا شبہ پایا جائے تو اس سے بھی کفارہ مٹ جاتا ہے جیسے کہ حدود یعنی سزائے سرقہ اور سزائے زنا شک سے ثابت نہیں ہوتے ہیں۔ اسی طرح کفارے کے لزوم کے لیے جرم کا صورتا و معنا دونوں طرح کامل ہونا ضروری ہے چنانچہ امام برہان الدین لکھتے ہیں

"بہر حال کفارہ جرم کے کامل طور سے ثابت ہونے پر موقوف ہے کیونکہ شبہات کی وجہ سے کفارہ ساقط ہو جاتا ہے جیسے کہ حدود۔"[2]

روزے کے کفارہ کی ادائیگی:

رمضان المبارک کا روزہ توڑنے کی سزا (کفارہ) ایک غلام یا باندی آزاد کرنا ہے۔ اگر یہ نہ ہو سکے جیسا کہ اب باندی و غلام کا تصور ہی مٹ چکا ہے تو پے در پے ساٹھ روزے رکھے جائیں۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے پھر ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے۔

لیکن یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اگر کوئی شخص ایک رمضان المبارک میں بار بار جرم کرتا ہے تو ہر جرم کا کفارہ الگ ہو گا یا تمام جرائم کا ایک ہی کفارہ ہو گا؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ ایک شخص تینوں طرح کے کفارے ادا کرنے کے قابل نہیں ہے تو وہ کیا کرے؟

پہلے سوال کے جواب میں امام کمال الدین المعروف بابن الھمام حنفی لکھتے ہیں:

1۔ المصری، ابن نجیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق (بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1997) 1/237

2۔ الامام، علی بن ابو بکر، الہدایہ، 2/235

"اگر کوئی شخص ایک ہی رمضان میں کئی مرتبہ جماع کرے اور ہر مرتبہ کفارہ ادا نہیں کیا ہے تو اس پر ایک ہی کفارہ لازم ہے اور اگر ایک مرتبہ جماع کر کے کفارہ ادا کر دیا اور پھر جماع کیا تو اب دوسری دفعہ کفارہ ادا کرنا ضروری ہے۔ اور امام زفرؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کیا ہے کہ اگر الگ الگ دو رمضانوں میں جماع کیا ہے اور پہلے رمضان کا کفارہ ادا نہیں کیا ہے تو اس پر دو کفارے لازم ہیں۔[1]

اگر کوئی کفارہ کی کوئی بھی قسم ادا کرنے کے قابل نہ ہو تو پھر اسے استغفار کرنا چاہیے۔

اگر کوئی شخص رمضان کے روزے کا کفارہ روزوں کے ذریعے ادا کر رہا تھا مگر کسی وجہ سے انقطاع (وقفہ) ہو گیا تو نئے سرے سے روزے رکھنا ہونگے چنانچہ امام ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:

(اگر انسٹھ روزے بھی ہو چکے تھے پھر ناغہ ہو گیا تو نئے سرے سے روزے رکھنا ہونگے۔)[2]

البتہ عورت کو حیض آجائے تو حیض کا ناغہ تابع کو مانع نہیں ہے۔ حیض سے پہلے اور بعد کے ملا کر ساٹھ ہو جائیں گے۔[3]

کفارہ حج و عمرہ

حج کی تعریف

حج کی تعریف کرتے ہوئے السید الشریف ابو الحسن علی بن محمد بن علی جرجانی الحنفی لکھتے ہیں:

" الحج: القصد إلى الشيء المعظم، وفي الشرع: قصدٌ لبيت الله تعالى بصفة مخصوصة، في وقت مخصوص، بشرائط مخصوصة۔"

ترجمہ: (حج کا معنیٰ ہے کسی عظمت والی چیز کی زیارت کا ارادہ کرنا اور شریعت اسلامیہ میں اللہ تعالیٰ کے گھر کا ارادہ کرنا مخصوص صفات کے ساتھ مخصوص وقت میں مخصوص شرائط کی پابندی کرتے ہوئے۔)[4]

---

[1]۔ الحنفی، ابن الھمام، محمد بن عبد الواحد السیواسی، فتح القدیر، (بیروت، دار الکتب العلمیہ، 2003) 2/341

[2]۔ الحنفی، ابن الھمام، محمد بن عبد الواحد السیواسی، فتح القدیر، 2/320

[3]۔ الزبیدی، علی بن محمد، الجوھرۃ النیرۃ (لبنان، دار الکتب العلمیہ، 2006) 1/163

[4]۔ الجرجانی، محمد بن علی، التعریفات، ص:82

عمرہ کی تعریف

عمرہ کے معنی ہیں کسی آباد مکان کی طرف جانے یا اس کی زیارت کا ارادہ کرنا۔ اس کی جمع عمر اور عمرات آتی ہیں۔ جبکہ اصطلاح شرع میں طواف اور سعی بین الصفاوالمروۃ کا نام عمرہ ہے۔

جنایات حج وعمرہ کے احکام

حج وعمرہ میں کوئی بھی جرم بھول سے ہو یا جان بوجھ کر کفارہ ہر حال میں واجب ہے اور ارادۃ جرم کیا بلا عذر تو کفارہ واجب ہے اور گناہ گار بھی ہو گا۔

حج وعمرہ میں کسی جرم پر اگر صدقہ لازم آجائے تو صدقہ کے بدلے ایک روزہ بھی رکھا جا سکتا ہے اور جب کفارے میں روزے رکھیں تو رات ہی سے نیت کر لے احرام میں یا حرم میں اور پے در پے ہونا ضروری نہیں ہے۔ متمتع اور قارن دونوں پر فدیہ لازم ہے۔ حج وعمرہ کے دوران جہاں کہیں ایک صدقہ لازم آئے گا وہاں قارن پر دو صدقے لازم آئیں گے۔ یاد رہے کہ حج کی قربانی خود بھی کھا سکتا ہے جب کہ کفارہ کی قربانی صرف محتاج کو دی جائے گی۔[1]

حج وعمرہ میں خوشبو لگانے کا کفارہ

محرم کے لیے خوشبو لگانا جرم ہے۔ کپڑے اور بدن سے ہٹانا اور صاف کرنا واجب ہے۔ اگر محرم نے کفارہ تو دیا مگر خوشبو زائل نہ کی تو پھر دم واجب ہے۔[2]

1۔ اگر محرم نے اپنے زخم پر خوشبو والی دوا لگائی اور زخم ٹھیک ہو گیا تو صحیح ہے ورنہ کفارہ واجب ہے۔

2۔ اگر محرم نے ایک ہی مجلس میں سارے بدن پر خوشبو لگائی تو ایک ہی جرم ہے لہذا ایک ہی کفارہ واجب ہے۔ اگر کئی مجالس میں الگ الگ خوشبو لگائی تو ہر مجلس کا الگ کفارہ ہے۔

3۔ سلے کپڑے پہننے کا کفارہ ہے۔[3]

اگر محرم نے ایک دن عذر اور دوسرے دن بلا عذر سلا ہوا کپڑا پہنا تو اس پر دو کفارے واجب ہونگے۔

---

[1]۔ الجرجانی، محمد بن علی، التعریفات، ص:87

[2]۔ الکاسانی، ابو بکر بن مسعود، البدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، 2/329

[3]۔ البلخی، نظام الدین، فتاوی ہندیہ، (لاہور، مکتبہ رحمانیہ، 1426) 10/266

اگر محرم نے دن میں سلا ہوا کپڑا پہنا اور رات کو گرمی کی وجہ سے اتار دیا، یا رات کو سردی کی وجہ سے پہنا اور دن میں اتار دیا مگر باز آنے کی نیت نہیں تھی تو ایک ہی کفارہ واجب ہے اور اگر توبہ کی نیت تھی تو ہر بار پہننے میں نیا کفارہ واجب ہے۔

4۔ اگر محرم نے ایک دن سلا ہوا کپڑا پہنا پھر کفارہ ادا کر دیا مگر کپڑا اتارا نہیں تو دوسرے دن بھی اگر پہنے رہا تو اب دوسرا کفارہ واجب ہے۔

5۔ قصداً، نادانی یا بھول چوک سے سلا ہوا کپڑا پہنا یا محرم نے سونے کی حالت میں بھی اگر سر یا منہ چھپا لیا تو کفارہ واجب ہے۔[1]

بال اکھیڑنے کا کفارہ

محرم نے چند جلسوں میں سر منڈوایا یا دو جلسوں میں بغلیں مونڈیں تو ایک ہی دم اور ایک ہی کفارہ واجب ہے۔ محرم کے بال مونڈنے والے پر بھی صدقہ دینا واجب ہے۔[2]

ناخن کاٹنے کا کفارہ

اگر محرم نے اپنے ایک پاؤں کے پانچوں ناخن کاٹے یا دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کے بیسوں ناخن ایک ساتھ کاٹے تو ایک دم واجب ہے۔ اگر کسی نے ہاتھ پاؤں کے پورے پانچ ناخن نہ کاٹے تو ہر ناخن کے بدلے ایک صدقہ ادا کرے۔ البتہ اگر کوئی ناخن ٹوٹ گیا کہ بڑھنے کے قابل بھی نہ رہا تو اس کا بقیہ حصہ کاٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔[3]

جماع کا کفارہ

اگر محرم نے وقوف عرفہ سے پہلے جماع کیا تو حج فاسد ہو جائے گا۔ اب حج کے دیگر اعمال ادا کر کے حج مکمل کرے اور ایک دم دے اور آئندہ سال اس حج کی قضا کرے۔ وقوف عرفہ کے بعد جماع سے حج فاسد نہیں ہوتا مگر حلق و طواف سے پہلے جماع کیا تو ایک بدنہ دے۔ اگر حلق و طواف کے بعد محرم نے جماع کیا۔ تو کوئی حرج نہیں ہے۔[4]

---

[1]۔ الزبیدی، علی بن محمد، الجوهرة النیرة، 1/ 10

[2]۔ البلخی، نظام الدین، فتاوی ہندیہ، 10/ 287

[3]۔ الحصکفی، علاء الدین، علی بن محمد، الدر المختار فی شرح تنویر الابصار (بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1420) 1/ 144

[4]۔ الزبیدی، علی بن محمد، الجوهرة النیرة 1/ 205

سہو طواف وسعی کا کفارہ

اگر محرم نے طواف فرض اکثر یعنی چار پھیرے جنابت یا حیض و نفاس میں کیا تو ایک بدنہ واجب ہو جائے گا اور پھر طہارت کے ساتھ اعادہ بھی واجب ہے۔ اگر طواف بے وضو کیا تو دم واجب ہے اور طواف کا اعادہ مستحب ہے۔

اگر محرم نے طواف فرض کل یا اکثر بلا عذر چل کر نہ کیا یا الٹا طواف کیا یا طواف کے دوران حطیم کے اندر سے گزرا تو ان سب صورتوں میں کفارہ واجب ہو گا۔ اگر محرم نے طواف سے پہلے سعی کر لی اور اعادہ نہ کیا تو کفارہ واجب ہے۔[1]

محرم کے شکار کا کفارہ

احرام کی حالت میں حرم کے اندر یا باہر، خشکی کا وحشی جانور شکار کرنا یا اس جانور کا شکار کرنے کے لیے اشارہ کرنا حرام ہے، اور ایسا کرنے والے پر کفارہ واجب ہے۔

احرام میں اور احرام کے بغیر حرم کے اندر حلال اور حرام دونوں قسم کے جانوروں کے شکار کا ایک ہی حکم ہے لیکن حرام جانور چاہے ہاتھی ہی کیوں نہ ہو اس کا کفارہ ایک بکری ہے۔

کفارہ نذر

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وکفارۃالنذرکفارۃالیمین"۔[2]

اور نذر کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔

نذر اور قسم میں فرق

نذر اور قسم میں فرق یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے نذر مانی کہ میں فلاں دن روزہ رکھوں گا اور پھر اپنی نذر پوری نہ کی تو اس پر قضا واجب ہے جبکہ جو شخص قسم کھائے کہ اللہ کی قسم میں فلاں دن روزہ رکھوں گا اور کسی وجہ سے اُس نے اُس دن روزہ نہ رکھا تو اب وہ قسم توڑنے کا کفارہ ادا کرے گا، "نذر اور قسم میں یہ فرق ہے کہ نذر میں قضا واجب ہے اور قسم میں کفارہ واجب ہوتا ہے"۔[3]

---

[1]۔ المصری، ابن نجیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق 1/ 123

[2]۔ الحصکفی، علاء الدین، علی بن محمد، الدر المختار فی شرح تنویر الابصار 1/ 285

[3]۔ القشیری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، (بیروت، مکتبہ العلمیہ، 1994) ح:1265

کفارۃ صلاۃ

حضرت ابو قتادہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں رسول ﷺ کے ساتھ میں سفر کر رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونگھ رہے تھے۔ اور غلبہ نیند کی وجہ سے سواری پر جھک رہے تھے اور میں آپ صلی ﷺ کو سواری پر سیدھا کر رہا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے سر اٹھایا اور پوچھا تم کون ہو؟ میں نے عرض کیا: ابو قتادہ؟ آپ ﷺ نے پوچھا کب سے میرے ساتھ چل رہے ہو؟ میں نے کہا میں پوری رات سے اسی طرح آپ کے ساتھ چل رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اللہ کریم تمہاری حفاظت اسی طرح کرے جیسے تم نے اس کے بندے کی حفاظت کی ہے۔ پھر آپ نے سفر موقوف فرما کر آرام کا ارادہ کیا اور فرمایا تم لوگ جاگ کر ہماری نماز فجر کا خیال رکھنا۔ پھر سب سے پہلے دن چڑھے نبی ﷺ بیدار ہوئے اور پھر ہم بھی جاگے۔ وہاں سے سفر جاری رکھا۔ اور کچھ دور جا کر وضو، اذان واقامت کے ساتھ باجماعت نماز فجر ادا فرمائی۔ ابو قتادہ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے ہر شخص ایک دوسرے سے سرگوشی کرنے لگا کہ آج ہم سے جو نماز فجر قضاء ہوئی ہے اس کا کفارہ کیا ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ہے کیا میری زندگی میں تمہارے لیے نمونہ نہیں ہے؟ پھر فرمایا: نیتوں میں کوئی تقصیر نہیں ہے۔ مسئلہ اس صورت میں ہے جب کوئی شخص جاگتے ہوئے بھی نماز نہ پڑھے حتی کہ دوسری نماز کا وقت آجائے تو جس شخص کو اسطرح کی صورتحال پیش آئے وہ یاد آنے پر اپنی نماز پڑھ لے گویا نماز بھول جانے، رہ جانے یا کسی وجہ سے قضاء ہو جانے کا کفارہ یہ ہے کہ جب یاد آجائے اور جاگ جائے۔ فوراً پڑھ لے۔[1]

کفارہ شرک

اللہ کریم کا ارشاد گرامی ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَى إِثْمًا عَظِيمًا﴾[2]

ترجمہ: (بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کیے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے اور جو اللہ کے ساتھ شریک مقرر کرے اس نے بہت بڑا گناہ اور بہتان باندھا۔)

گویا کہ شرک ایسا گناہ ہے جس کی معافی نہیں ہے۔ بس اس کا ایک ہی علاج ہے کہ توحید کا اقرار کر لیا جائے چنانچہ الشیخ تقی الدین لکھتے ہیں: "کفارۃالشرک التوحید"[3]

(شرک کا کفارہ توحید ہے۔)

---

[1] ۔القشیری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، (بیروت، مکتبہ العلمیہ، 1994) ح: 40

[2] ۔النسآء: 48

[3] ۔البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح المسند المختصر من احادیث الرسول 5/171

کفارہ ترک جمعۃ

کسی مسلمان کا مسلسل جمعۃ المبارک کو ترک کرنا اسے گناہ گار بنا دیتا ہے کہ توبہ کے علاوہ اس کوتاہی پر کفارہ بھی واجب ہے۔ حضرت قدامہ بن وبرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا، جس شخص کا جمعہ المبارک بغیر کسی عذر کے فوت ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ ایک درہم صدقہ کرے یا نصف درہم یا ایک صاع (سوا دو کلو) گندم یا نصف صاع گندم صدقہ کرے۔[1] اور درہم ساڑھے چار ماشے چاندی کے برابر ہوتا ہے۔ بغیر عذر کے ترک جمعہ کرنے والا کفارہ ادا کرے تا کہ غفلت و تاخیر کی سزا بھگتے اور توبہ و قضا کرے یعنی جمعہ کی جگہ اب ظہر کی نماز پڑھے تا کہ آخرت میں مواخذے سے بچ سکے۔

ترک جماعت کا کفارہ

حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے ایک باغ کی طرف تشریف لے گئے جب واپس ہوئے تو لوگ نماز عصر ادا کر چلے تھے۔ یہ دیکھ کر آپ رضی اللہ عنہ نے اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھا

اور ارشاد فرمایا: میری عصر کی جماعت فوت ہو گئی ہے۔ لہذا میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میرا باغ مساکین کے لیے صدقہ ہے تا کہ یہ اس کام کا کفارہ ہو جائے۔[2]

---

[1]۔ السجستانی، سلیمان بن الاشعث، سنن ابو داود، (انقرہ، دار الکتب انقرہ، 2005) 1/407

[2]۔ الھیثمی، ابن حجر، الزواجر عن اقتراف الکبائر، (القاھرۃ، مطبعۃ حجازی، 1888) ص:134

فصل سوم

کفارہ اور معاملات

معاملات کے ضمن میں جو کفارات عائد ہوتے ہیں ان کی صورتیں اور کفارات درج ذیل نکات سے واضح ہوتے ہیں۔ معاملات میں کفارہ قتل، کفارہ تجارت، کفارہ غیبت، کفارہ مجلس وغیرہ شامل ہیں۔

جرم کی نوعیت کے اعتبار سے قتل کی پانچ قسمیں ہیں۔ جیسا کہ شیخ عبد الغنی المیدانی لکھتے ہیں:

القتل الذي تتعلق به الأحكام الآتية (على خمسة أوجه) وإلا فأنواعه كثيرة كرجم وصلب وغيرهما، وهي: (عمد، وشبه عمد، وخطأ، وما أجري مجرى الخطأ، والقتل بسبب)[1]

ترجمہ: قتل جس کے متعلق احکامات آنے والے ہیں (اس کی پانچ وجوہ ہیں): ورنہ تو اس کی بہت سی اقسام ہیں، جیسا کہ رجم، صلب وغیرہ، عمد (ارادتا) اور شبہ عمد اور خطاء (غیر ارادی طور سے) اور قائم مقام خطاء اور قتل بالسبب۔)

قتل عمد

جب کوئی شخص کسی ہتھیار سے نیت وارادے کے ساتھ کسی آدمی کی جان لے لے تو اسے قتل عمد کہتے ہیں۔[2]

قتل عمد کا حکم

قتل عمد یعنی جان بوجھ کر قتل کرنے والا گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا ہے۔ کفر کے بعد سب سے بڑا گناہ قتل ناحق ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا﴾[3]

ترجمہ: (جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے اس کی سزا جہنم ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اس پر اور اس کے لیے اس نے بڑا عذاب تیار رکھا ہے۔)

---

[1]۔ میدانی، عبد الغنی، اللباب فی شرح الکتاب، (لبنان، المکتبۃ العلمیہ 2014) 3/141

[2]۔ الزحیلی، وھبۃ بن مصطفی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، (کراچی، دار الاشاعت، 2004) 5/267

[3]۔ البقرۃ: 178

قتل عمد کی سزا

ہدایہ شریف میں ہے کہ اس بات پر علماء امت کا اجماع ہے کہ قتل عمد کا مرتکب گناہ گار ہے۔اور قاتل مقتول کی میراث سے محروم ہو گا جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ قاتل کو میراث نہیں ملے گی۔[1] اور احناف کے ہاں قتل عمد میں کفارہ نہیں ہے۔جیسا کہ امام ابو بکر بن علی بن محمد الحداد الزبیدی لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک قتل عمد میں کفارہ نہیں ہے۔

قتل شبہ عمد

فقہائے کرام نے قتل شبہ عمد کی تعریف یوں کی ہے:"کوئی کسی کو ناحق یا تادیباً سزادینے کی خاطر ایسی شے سے ضرب لگائے جس سے عموماً آدمی مرتا نہ ہو لیکن وہ مر جائے۔"جنایات کی اس قسم کو شبہ عمد اس لیے کہا جاتا ہے کہ جنایت کرنے والے نے سزادینے کا تو ارادہ کیا تھا لیکن قتل کرنا مقصد نہ تھا۔

قتل شبہ عمد کا کفارہ

قتل شبہ عمد میں قصاص نہیں ہے کیونکہ یہ قتل عمداً کے حکم میں نہیں ہے اور اس کی وجہ وہ آلہ قتل ہے جو عام طور پر قتل کے لیے استعمال نہیں ہوتا ہے۔لہذا اس شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہو گیا۔قتل شبہ عمد میں گناہ ہے کیونکہ قتل کرنے کا ارادہ پایا گیا ہے اور شبہ کی وجہ سے کفارہ ہے جبکہ خطاء کی وجہ سے دیت مغلظہ ہے۔چنانچہ امام ابو البرکات محمد النسفی لکھتے ہیں

(قتل شبہ عمد میں قاتل پر) گناہ ہے اور (اس پر) کفارہ واجب ہے اور عاقلہ پر دیت مغلظہ ہے قصاصنہیں ہے۔)[2]

شبہ کی وجہ سے اگرچہ قصاص سے ساقط ہو جائے گا مگر قاتل میراث سے محروم رہے گا۔چنانچہ شیخ نظام الدین لکھتے ہیں

(شبہ عمد میں کفارہ ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے۔اگر وہ (غلام) نہ پائے تو دوماہ کے مسلسل روزے رکھے اور قاتل کے عصبات پر دیت مغلظہ واجب ہے)۔[3]

قتل خطاء

ایسا قتل کہ جس میں قاتل کا ارادہ دراصل قتل کرنے کا نہ ہو مگر ایسا ہو جائے تو اسے قتل خطا کہتے ہیں۔

---

[1]۔الامام، علی بن ابو بکر، الہدایہ، 4/556

[2]۔الامام، عبداللہ بن أحمد النسفي، کنزالدقائق، (بیروت، دارالسراج، 1983) ص:496

[3]۔البلخی، نظام الدین، فتاوی ہندیہ، 3/44

کفارہ قتل خطاء

قتل خطامیں قاتل پر کفارہ واجب ہے اور اس کے عاقلہ (برادری) پر دیت ہے۔ البتہ وہ گناہ گار نہیں ہے۔ چنانچہ امام ابو بکر بن علی بن محمد بن محمد الحداد الزبیدی لکھتے ہیں:

اس قتل (خطاء) سے کفارہ واجب ہے (قاتل پر) اور اس کے عاقلہ (خاندان وبرادری) پر دیت واجب ہے اور اس پر اس قتل کا گناہ نہیں ہے البتہ بے احتیاطی کا گناہ ضرور ہو گا۔)[1]

قائم مقام قتل خطا

قتل قائم مقام خطاوہ ہے جس میں قاتل کے اختیاری فعل کو کوئی دخل نہ ہو، جیسے سوتے شخص نے کروٹ لی اور غیر اختیاری طور پر دوسرے پر آپڑا، جس کی وجہ سے دبنے والا فوت ہو گیا۔ اس کے بھی قتل خطاوالے احکام ہیں۔

قائم مقام قتل خطاء کا حکم

قائم مقام قتل خطاء کا حکم بھی وہی ہے جو قتل خطا کا حکم ہے یعنی سقوط قصاص، وجوب دیت و کفارہ اور میراث سے محروم ہونے میں حکم برابر ہے۔[2]

قتل بالسبب

قاتل کا کوئی فعل غیر ارادی طور پر کسی دوسرے شخص کی موت کا سبب بن جائے تو اسے قتل بالسبب کہتے ہیں۔ شیخ الاسلام امام برھان الدین لکھتے ہیں

"اور قتل بالسبب یہ ہے کہ جیسے کسی شخص نے دوسرے کی زمین میں کنواں کھودا یا راستہ میں پتھر رکھ دیا اور کوئی شخص اس کنویں میں گر کریا اس پتھر سے ٹکرا کر مر گیا تو عاقلہ پر دیت ہے۔ قاتل پر قصاص بھی نہیں اور وہ میراث سے محروم بھی نہیں ہو گا"[3]

---

[1]۔ الزبیدی، علی بن محمد، الجوھرۃ النیرۃ، 2/326

[2]۔ الامام، علی بن ابو بکر، الھدایہ، 2/588

[3]۔ المصری، ابن نجیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، 9/15

قتل بالسبب کا کفارہ

کفارہ قتل بھی شرعاً کفارہ ظہار کی طرح ہے۔ امام محمد بن حسین بن علی لکھتے ہیں

قتل کا کفارہ جو قدرت رکھتا ہو اس کے لیے ایک غلام آزاد کرتا ہے اور جو قدرت نہ رکھتا ہو وہ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے۔ ایک دن بھی ناغہ ہوا تو نئے سرے سے روزے رکھے۔ روزہ نہ رکھ سکنے کی صورت میں کھانا کھلانا اِس کفارہ میں مشروع نہیں ہے۔ البتہ جو روزوں کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اُس پر یہ قرض ہے۔ لہذا ہمارے زمانے میں کفارہ قتل فقط دو ماہ کے روزے ہیں۔[1]

کفارہ ظلم

ادنی زیادتی وناروا سلوک کو اسلام پسند نہیں کرتا ہے لہذ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اپنے غلام کو طمانچہ مارا یا اسے سزا دی تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کر دے ورنہ قیامت کے دن جوابدہ ہو گا اور اس آزاد کرنے میں ثواب نہیں ہے بلکہ اس کے ظلم کا کفارہ ہے۔[2]

ظلم میں جو حقوق العباد متاثر ہوتے ہیں ان کا کفارہ یہ ہے کہ چوری، ڈاکہ، غضب، استحصال اور ظلم سے لی گئی اشیاء واپس کر دی جائیں اور جو واپسی کے قابل نہ ہوں یا حیثیت ہی نہ ہو تو معافی تلافی کر لی جائے۔ اور جہاں بدلہ ممکن ہو وہاں بدلے کے لیے خود کو پیش کیا جائے ورنہ مظلوم کے حق میں دعا کی جائے اور اس کے ایصال ثواب کے لیے نیک اعمال انجام دیئے جائیں۔

کفارہ ذنب

جب انسان سے گناہ (ذنب) سرزد ہوتا ہے تو وہ اللہ سے دور ہو جاتا ہے۔ اس دوری کی وجہ سے اُسے وحشت ہونے لگتی ہے اور وہ قرب الہی پانے کی آرزو کرتا ہے اور اپنے گناہ پر شرمندگی وندامت کا اظہار کرتا ہے، تو اللہ کریم اُسے معاف فرما کر پھر سے اپنے قرب سے نوازتا ہے۔ گویا یہ ندامت اس کے گناہ کا کفارہ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ محدث محمد بن سلام بن جعفر ابو عبد اللہ القضاعی نبی ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں

حضرت عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: گناہ کا کفارہ ندامت (شرمندگی کا احساس) ہے۔[3]

---

[1]۔ البلخی، نظام الدین، فتاوی ہندیہ، 1/135

[2]۔ القشیری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، 2/41

[3]۔ منور شباب، السلفی، کفارة الذنب الندامة (بیروت، موسسة الرسالة، 1986) 1/80

کفارہ تجارت

اگرچہ تجارت حلال ہے مگر اس میں بھی بعض دفعہ چیز بیچنے کے لیے جھوٹی سچی قسمیں کھائی جاتی ہیں۔ بے جا اور فضول باتیں ہو جاتی ہیں۔ عیب والی اشیاء بیچ دی جاتی ہیں۔ غیر دانستہ طور پر ناپ تول میں کمی یا بھولے سے کو الٹی اور کوانٹٹی (معیار اور مقدار میں) میں فرق آجاتا ہے۔ اگر یہ سب بھول چوک سے غیر ارادی طور پر ہوا ہے تو صدقہ کرنا اس کا کفارہ ہو جائے گا۔ چنانچہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے

("سوداگرو! بیع میں لغو اور بے فائدہ باتیں بھی ہو جاتی ہیں اور قسم بھی کھائی جاتی ہے۔ تو اس تجارت کو صدقہ کے ساتھ مزین وآراستہ کر لیا کرو۔ گویا تاجروں کے لیے صدقہ کرنا ان کی تجارت کی زینت اور کاروبار کی صفائی ہے اور غیر دانستہ طور پر سرزد ہو جانے والی کوتاہیوں کا کفارہ بھی ہے۔ اس حدیث میں صدقہ، کفارہ ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ گویا تجارت کا کفارہ صدقہ کرتا ہے۔")[1]

کفارہ لہو ولعب

ارادہ گناہ، دعوت گناہ یا لہو ولعب میں مشغول ہونا تو دور کی بات ہے اگر اس کا خیال بھی آجائے تو کفارہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ تاکہ بھولے سے بھی دل میں کوئی کجی، میل کچیل داخل نہ ہو اور مومن کو تزکیہ وطہارت حاصل رہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے:

"انه من دعا إلى اللعب فكفارته أن يتصدق۔ "[2]

جو شخص بھی لہو ولعب کی طرف بلائے تو وہ اس کے کفارے کے طور پر صدقہ کرے۔

صدقہ کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ دعوت وارادہ گناہ کا گناہ بھی ختم ہو جائے۔

کفارہ مجلس

اللہ کریم کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ﴾ [3]

ترجمہ: جب تو کھڑا ہو (جگہ سے اٹھے) تو اپنے رب کی پاکی اور حمد بیان کر۔

---

[1]۔ السجستانی، سلیمان بن الاشعث، سنن ابو داود، 3/246

[2]۔ العسقلانی، ابن الحجر، فتح الباری فی شرح البخاری، 11/460

[3]۔ الطور: 48

چنانچہ علامہ ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

"یعنی جب تم کسی بھی مجلس سے اٹھو، کیونکہ اگر تم نے مجلس میں اچھے کام کیے تو اپنی نیکیوں میں اضافہ کیا ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو یہ حمد اور پاکی بیان کرنا مجلس میں گناہ، بری بات اور بیٹھنے کا کفارہ ہو جائے گا۔[1]

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وبِحَمْدِكَ، لا إِلَهَ إلا أَنْتَ، أَسْتَغْفِرُكَ وأَتُوبُ إِلَيْكَ)

تو پاک ہے، اے اللہ! اپنی تعریفوں کے ساتھ، نہیں ہے کوئی معبود برحق مگر تو ہی، میں تجھ سے بخشش طلب کرتا ہوں اور تیری طرف توبہ کرتا ہوں۔

جو شخص کسی مجلس سے اٹھتے وقت یہ دعا پڑھ لے تو یہ اس کی مجلس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔[2]

غیبت کا کفارہ

غیبت کے کفارے میں علماء کا اختلاف ہے البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ غیبت کرنے والا توبہ کرے۔

حدیث شریف میں ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا۔ غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ تو اس کی مغفرت کی دعا کر جس کی تو نے غیبت کی ہے اور یوں دعا مانگ: اے اللہ! ہماری مغفرت فرما اور اسکی بھی بخشش فرما دے۔[3]

امام نووی لکھتے ہیں: غیبت کرنے والے کی توبہ کی شرائط یہ ہیں:

1۔ غیبت چھوڑ دے۔

2۔ شرمندگی کا اظہار کرے۔

3۔ جس کی غیبت کی ہے اس سے معافی مانگ لے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو یا اس سے خطرہ ہو تو پھر اس کے لیے اللہ سے مغفرت کی دعا کرے اور لوگوں کے سامنے اس کی اچھائی بیان کرے۔ بالخصوص جس کے سامنے غیبت کی تھی۔[4]

---

[1]۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایہ والنھایہ (القاھرۃ، مطبعۃ السعادۃ، 1998) 2/161

[2]۔ الترمذی، محمد بن عیسیٰ، الجامع الترمذی، 2/123

[3]۔ البدر، عبد الرزاق، فقہ الادعیۃ والاذکار، (الکویت، دار الفضیلہ، 2002) 2/263

[4]۔ النووی، یحیی بن شرف، کتاب الاذکار، 2/45

کفارہ ظہار

ظہار کا حکم بیان کرتے ہوئے علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود نسفی لکھتے ہیں

"تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے۔ کہنے سے کہنے والے پر اپنی بیوی سے جماع اور جماع کی طرف لے جانے والے تمام اعمال حرام ہو جاتے ہیں جب تک کہ کفارہ نہ دے۔"[1]

کفارہ ظہار کی ادائیگی

قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿ وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا ﴾[2]

ترجمہ: جو لوگ ظہار کر بیٹھیں اپنی عورتوں سے پھر وہ پلٹنا چاہیں اس بات سے جو انہوں نے کہی تو (خاوند) غلام آزاد کرے اس سے قبل کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔

اگر کوئی شخص روزے رکھنے کی قدرت نہیں رکھتا تو اسے ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے چاہے کھانا کھلادے یا علیحدہ علیحدہ ساٹھ کی گنتی پوری کرلے۔ اس دوران روزے رکھنے پر قدرت نہ رکھنے کی شرط ہے ورنہ یہ کھانا صدقہ ہو جائے گا اور روزے رکھنا واجب ہے۔[3]

کفارہ ایلاء

ایلاء کی اصطلاحی تعریف بیان کرتے ہوئے السید الشریف ابو الحسن علی بن محمد بن علی الحسینی الجرجانی لکھتے ہیں: ایلاء دراصل کسی شخص کا اپنی بیوی سے ترک جماع پر مخصوص مدت کے لیے قسم کھانا ہے۔ مثلاً: (کوئی شخص اپنی بیوی سے یوں کہے) اللہ کی قسم میں چار ماہ تک جماع نہیں کروں گا تو اصطلاح شریعت میں اسے ایلاء کہتے ہیں۔

---

[1]۔ المصری، ابن نجیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، 1/416

[2]۔ المجادلہ: 3

[3]۔ الامام، ابن ھمام الحنفی، فتح القدیر، 2/234

ایلاء کا حکم

ایلاء کی کم از کم مدت چار ماہ ہے۔ اس سے کم میں ایلاء نہیں ہوتا۔ اگر کسی نے ایلاء کیا اور چار ماہ کے اندر اندر بیوی سے ہمبستری کی تو اس نے اپنی قسم توڑ دی۔ اب اس پر کفارہ واجب ہو گیا ہے اور اس کا ایلاء ختم ہو جائے گا۔ اگر ایلاء کرنے والے کے چار ماہ مکمل ہو گئے اور اس دوران اس نے بیوی سے تعلقات قائم نہ کیے تو چار ماہ کے بعد طلاق بائنہ ہو جائے گی۔ اگر ایلاء موقت تھا تو طلاق بائن کے بعد نکاح کر لے ایلاء نہیں رہے گا۔ اگر ایلا مؤبد تھا تو پھر نکاح کے بعد بھی ایلاء باقی رہے گا۔ اور جب وہ جماع کرے گا تو کفارہ دے گا ورنہ چار ماہ کے بعد دوسری طلاق بائنہ پڑ جائے گی۔ اور یوں ہی تیسری بھی پڑ جائے گی۔ ہاں اگر حلالہ کے بعد نکاح کرے تو ایلاء ختم مگر قسم باقی ہے۔[1] جمہور علماء کے نزدیک ایلاء کرنا حرام ہے اور احناف کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔[2]

ایلاء کا کفارہ

ایلاء چونکہ قسم ہے۔ اس لیے اس کے توڑنے پر قسم کا کفارہ ہی لازم آتا ہے۔ لہذا ایلاء توڑنے والا دس مساکین کو صبح و شام کھانا کھلائے یا کپڑے پہنائے یا غلام آزاد کرے۔ اگر مندرجہ بالا کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو پھر تین دن کے روزے رکھے۔[3] اگر خدا نخواستہ کفارہ ادا کیے بغیر ہی ہم بستری کر بیٹھے تو وہ اللہ سے توبہ کرے جیسا کہ علامہ ابو الحسن علی بن ابو بکر برہان الدین المرغینانی لکھے ہیں۔

"پھر اگر کفارہ ادا کرنے سے پہلے بھی ہمبستر ہو جائے تو اللہ سے بخشش مانگے اور اس پر پہلے کفارے کے علاوہ کوئی اور کفارہ نہیں۔ البتہ کفارے سے پہلے دوبارہ ایسا نہ کرے۔[4]

دیگر صورتوں میں کفارہ

اگر شادی نہ کرنے کی قسم کھا کر شادی کر لی جائے۔ تو اس صورت میں کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو دو وقت کا کھانا کھلایا جائے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو تین دن کے روزے رکھے جائیں۔

---

[1]۔ الھندی، محمد سلمان، معتصر الضروری علی شرح مختصر القدوری، (بیروت، مکتبہ العلمی، 1/200751)

[2]۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایہ والنھایہ، 2/142

[3]۔ الکاسانی، ابو بکر بن مسعود، البدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، 2/177

[4]۔ امام، علی بن ابو بکر، الھدایہ، 2/10

خلاصہ بحث

کفارہ دراصل کسی چیز کو چھپانے کے معنیٰ میں آتا ہے۔جب بندہ سے کوئی گناہ یا لغزش سرزد ہوتی ہے تو وہ گناہ گار بھی ہوتا ہے ۔جس کی تلافی کے لیے کفارہ دیا جاتا ہے جو کہ گناہ کا عوض بن جاتا ہے۔ جس سے گناہ مٹ جاتا ہے۔ قرآن کریم میں کئی مقامات پر کفارہ کا ذکر موجود ہے۔اسی طرح احادیث میں بھی کفارات کا تصور موجود ہے۔ جن میں یمین غموس، یمین منعقدہ، کفارہ صوم، حج وعمرہ کے کفارات، کفارہ نذر وغیرہ شامل ہیں۔ جبکہ معاملات میں کفارہ قتل، کفارہ تجارت، کفارہ غیبت، کفارہ مجلس وغیرہ شامل ہیں۔

باب دوم

کفارہ کی حکمتیں اور اس کے اخلاقی و معاشرتی اثرات

فصل اول: کفارہ کی حکمتیں اور مقاصد

فصل دوم: کفارہ کے اخلاقی اور روحانی اثرات

فصل سوم: کفارہ کے معاشی اور معاشرتی اثرات

فصل اول

کفارہ کی حکمتیں اور مقاصد

کفارہ کے احکام میں چھپے مصالح، اسباب اور مقاصد درج ذیل ہیں:

1-توبہ اور ندامت [1]

کفارہ میں اصل توبہ اور ندامت ہے اور یہی اس کا رکن اعظم ہے۔ تاہم شریعت مطہرہ گناہ کی نوعیت کے اعتبار سے کبھی توبہ کے ساتھ کھانا کھلانے، کپڑے پہنانے، غلام آزاد کرنے یا ساٹھ دن کے مسلسل روزے رکھنے یا حدود قائم کرنے کا حکم دیتی ہے اور کبھی توبہ کے ساتھ کوئی نیک کام کرنے اور کبھی توبہ کے ساتھ کیے گئے جرم کی تلافی کے لیے اقدامات کا حکم دیتی ہے۔ شریعت مطہرہ میں جن گناہوں میں کفارہ رکھا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کفارہ ان گناہوں کا بدلہ یا معاوضہ ہو جائے اور بندہ گناہوں سے پاک ہو جائے۔

2۔ مغفرت و بخشش کا ذریعہ

کفارہ غلطی اور گناہ سرزد ہو جانے کے بعد اس غلطی اور گناہ کے ازالے اور معافی کا احساس پیدا کر کے مغفرت و بخشش کی امید جگاتا ہے۔ کفارے کا یہی وہ تصور ہے جو ہر گناہ گار انسان کو ایک انجانی خوشی سے سرشار کر کے جینے کا حوصلہ عطا کرتا ہے۔ اگر توبہ اور کفارہ نہ ہوتا تو انسان اپنے گناہوں کے بوجھ تلے دب کر مر جاتا۔ یہ توبہ اور کفارہ ہی ہے جو خطاؤں کے بوجھ سے نکال کر انسان کو زمین کے دوش پر چلنے پھرنے کی ہمت و حوصلہ عطا کرتا ہے۔ انسان خطا کا پتلا ہے۔ قدم قدم پر اس سے گناہ سرزد ہوتے ہیں مگر اللہ کریم نے انسان کی خطاؤں کی معافی کو ایک خودکار نظام سے منسلک کر دیا ہے۔ وہ نظام یہ ہے کہ ایک قدم پر انسان گناہ کرتا ہے تو اگلے ہی قدم پر اگر اس نے نیک کام کر لیا تو یہ نیکی اس کی بدی کی گندگی کو صاف کر کے کالعدم بنا دے گی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ [2]

ترجمہ: بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

---

[1]۔ معصومی، ڈاکٹر محمد اویس، کفارہ کا اسلامی تصور (پاکستان، تلاش حق فاونڈیشن، 2016) ص:53

[2]. ھود:114

3۔ برے اعمال کے اثرات بد کو دور کرنا

زندگی میں اور موت کے بعد حرکت و عمل کی اہمیت مسلم ہے۔ حرکت و عمل ہی کی بنیاد پر زندگی، جنت یا جہنم بنتی ہے۔ حرکت و عمل کے بغیر زندگی ایسے ہی ہے جیسے بنیادوں کے بغیر گھر کی عمارت۔ کفارہ بھی ایک نیک عمل ہے۔ جو گناہ یا برائی کے رد عمل کے طور پر وجود میں آتا ہے۔ اور برے اعمال و غلطیوں کے اثرات بد کو دور کرتا ہے۔ اور کسی اچھے عمل کے ثمرات، کشف و کرامات، عبادت و ریاضت میں اخلاص، پاکیزگی، طہارت اور روحانی مہارت عطا کرتا ہے۔ جبکہ دفع غم و مضرت اور دفع آفات و بلیلات میں بھی اکسیر ہے۔

4- معاشرے کو گناہ سے پاک کرنا

کفارے کا مقصد احساس بیدار کرنا، ضمیر کو زندہ کرنا، ندامت پیدا کر کے نفس کو توبہ پر آمادہ کرنا ہے تاکہ معاشرہ گناہ سے پاک ہو سکے۔ کیونکہ کفارہ کے ذریعے لوگ اپنے گناہوں کی معافی حاصل کر سکتے ہیں اور خدا کے بندے امن کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ معاشرتی امن کو قائم کرنے اور اس کی راہ میں حائل ایک بہت بڑی رکاوٹ، ظلم کو ختم کرنے میں کفارہ کا موثر کردار ہے۔ کفار کے ذریعے انسان گناہوں سے تائب ہو کر اپنی اصلاح کرتا ہے اور کفارہ کے ذریعے گناہ کے اثر کو روح سے دھو دیتا ہے اور شرم ساری کے ساتھ نہ صرف اللہ تعالی کی طرف رجوع کرتا ہے بلکہ آئندہ کے لئے اس کا نفس ایسی غلطیوں سے محفوظ رہتا ہے کیونکہ اللہ اپنے بندے سے چاہتا بھی یہ ہے کہ اس کا ہر بندہ صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے پاک ہو کر اس کی طرف لوٹے۔[1]

5۔ اصلاحی و اخلاقی پہلو

اسلامی تعلیمات کا خلاصہ خالق کی بندگی اور مخلوق کی خدمت ہے۔ اللہ کی عبادت انسان اپنی کامیابی اور نجات و فلاح کے لیے کرتا ہے کیوں کہ اللہ تعالی بندوں کی عبادت کا محتاج نہیں۔ وہ ذات تو غنی و بے نیاز ہے لیکن انسان ایک دوسرے کے تعاون کا ضرورت مند اور محتاج ہے۔ اس جہت سے سے حقوق العباد کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے اور اور اس کی بہت زیادہ دہ فضیلت ہے۔ اسلام نے خدمت خلق کو بڑی اہمیت دی ہے اور بہت سے گناہوں کے لیے روزہ رکھنے یا مسکینوں کو کھانا کھلانے کو کفارہ

---

[1]۔ معصومی، ڈاکٹر محمد اویس، کفارہ کا اسلامی تصور ص:126

قرار دیا گیا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کی نظر میں خدمت خلق اوراللہ کی بندگی کا قریب قریب ایک ہی درجہ ہے اور خدمت خلق میں گناہوں کا کفارہ بننے کی صلاحیت ہے۔ اسلام میں خدمت خلق کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا کیا جا سکتا ہے کہ اللہ کی بندگی اور کسی انسان کی مدد کو ایک ہی درجہ میں رکھا گیا ہے۔ اسی لئے اگر روزہ نہ رکھ پائے تو ایک روزہ کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے مقرر کیا گیا کیا ہے۔ اسی طرح روزے کا کفارہ، ظہار کا کفارہ اور ایلاء اور قسم کا کفارہ میں بھی مسکین کو کھانے کھلانے کی شکلیں رکھی گئی ہیں۔ مختصر یہ کہ کہ پورے اسلام کا خلاصہ خالق کی عبادت اور مخلوق کی خدمت ہے۔ امت مسلمہ کے لیے کفارہ اللہ کی رحمت ہے تاکہ اس کا نفس اور اس کا ضمیر جرم کے اثرات سے پاک وصاف ہو جائے۔ [1]

6-اسلامی تعلیمات میں کفارہ کی اہمیت بتلانا

قرآن حکیم نے شعبہ انسانی کے تعلق سے جو کفارہ کا نظام متعارف کروایا ہے وہی ہمارے لیے کلاہ افتخار و سرمایہ آخرت ہے۔ اور انہی مضبوط و مبین احکامات و فرامین میں کامیابی کا راز مضمر ہے اور نظام کفارہ ہی ضابطہ حیات ہے۔ اس کے بغیر حسن معاشرت، عمدہ و پاکیزہ تہذیب و ثقافت کا خیال ہی باطل ہے۔ اس لئے اسلام نے اپنے ماننے والوں کو کفارہ کا نظام متعارف کرواتے ہوئے اس کی اہمیت کو مختلف پہلوؤں سے گناہوں سے اجتناب کرنے کی ترغیب اور گناہوں کے ارتکاب کی صورت میں ان سے پاکی و نجات کا طریقہ بتاتے ہوئے پیکر تقوی وطہارت بننے کی تعلیمات فراہم کرنے اور گناہوں و بداعمالیوں سے بچنے کے لیے راہنما اصول وضوابط بیان فرمائے۔

7۔افعال شنیعہ و اعمال قبیحہ سے عار دلانا

اسلام نے فتنہ وفساد کے تمام وسائل وذرائع اور قوم و معاشرے میں جن جن افعال شنیعہ و اعمال قبیحہ سے انتشار وافتراق وقوع پذیر ہو سکتا تھا اور جن سے برائیوں و بداعمالیوں کا دروازہ کھل سکتا تھا ان کے خلاف نظام کفارہ کے ذریعے سخت احکامات جاری فرمائے تاکہ معاشرہ گناہوں کی آمیزش سے پاک ومنزہ رہے اور مسلم معاشرے کے تمام افراد و اشخاص صالح فکر کے حامل ہوں۔

---

[1]۔ معصومی، ڈاکٹر محمد اویس، کفارہ کا اسلامی تصور ص:55

8-اللہ تعالیٰ کے ساتھ قربت و میلان کا ذریعہ

کفارہ اللہ کے ساتھ قربت حاصل کرنے اور میلان قائم کرنے کا ذریعہ ہے جس سے گناہ و معصیت کے ارتکاب کی وجہ سے انسان دور ہو گیا تھا۔ کفارہ چونکہ اللہ تعالی کی طرف سے نوع انسانی کے لیے رحمت و وسعت کا ذریعہ ہے جس کے ذریعے وہ بندے کو دوبارہ اپنے قریب آنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ گناہوں سے چھٹکارا اللہ کی رحمت اور اس کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کرکے ہی ممکن ہے۔ جس کی ادائیگی سے انسان دوبارہ اللہ کا قرب حاصل کرلیتا ہے اور اس ذوق و شوق سے نیک اعمال بجا لاتا ہے کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

9- کفارہ کے ذریعے انسانی کردار سازی

کفارہ ایک انسان کو صاحب بصیرت بنا دیتا ہے اور اس کے فکر و شعور کو پاکیزگی اور اس کے نفس و قلب کو تطہیر و پاکی کی نعمت لازوال سے نوازتا ہے جس کی وجہ سے معاشرے پر اچھا اثر پڑتا ہے۔

10۔ تمام اصلاحی پہلوؤں کو یکجا کرتا ہے

کفارہ مسلم معاشرے کے تمام افراد کے اندر زبردست اجتماعی احساس بیدار کرتا ہے اس کے ساتھ ہی معاشرے کی اخلاقی، روحانی، قانونی، تہذیبی، معاشی و معاشرتی اور اجتماعی اصلاح کی فضا پیدا کرتا ہے۔

فصل دوم

کفارہ کے اخلاقی اور روحانی اثرات

کفارہ کے اخلاقی اثرات

1۔ لفظ اخلاق کی لغوی و اصطلاحی تحقیق

2۔ اخلاق کی اہمیت

3۔ اسلام کا تصور اخلاق

4۔ قرآن حکیم کی روشنی میں اخلاقیات کی فلسفیانہ اساس۔

5۔ کفار کے اخلاقی اثرات

1۔ اخلاق کی لغوی اور اصطلاحی تحقیق

خلق: اس کا مادہ (خ۔ل۔ق) ہے۔ اگر لفظ خ کے اوپر زبر پڑھیں یعنی خلق پڑھیں تو اس کے معنی ہیں ظاہری شکل وصورت اور اگر خ پر پیش پڑھیں یعنی خلق پڑھیں تو باطنی اور داخلی ونفسانی شکل وصورت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ فلاں انسان خلق و خلق دونوں کے اعتبار سے نیک ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ظاہری صورت بھی اچھی ہے اور باطنی صورت بھی۔ جس طرح انسانوں کی ظاہری شکل وصورت مختلف ہوتی ہے اسی طرح باطنی شکل وصورت میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔۱

خلق: انسان کے اس نفسانی ملکہ کو کہا جاتا ہے جو اس بات کا سبب بنتا ہے کہ انسان بغیر فکر و تامل اور غور و خوض کے خاص افعال انجام دے (یعنی نفسانی کنٹرول کے ذریعے بہترین کام انجام دینے کو خلق کہا جاتا ہے۔۲

الخَلق السجية: یعنی عادت، طور طریقہ

الخَلق و الخُلق : فی الاصل واحد کالشَرب والشُرب لکن خص الخلق بالھیاتوالصورالمدرکة بالبصر[1]

و خص الخلق بالقوی والسجایا المدرکة بالبصیرة۔

---

[1]۔ الافریقی، ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان اللسان، 1/ 343

یعنی خَلق اور خُلق دراصل ایک ہی ہیں لیکن خَلق مخصوص ہے ظاہری شکل وصورت سے اور خُلق کو مخصوص کر دیا گیا باطنی اور معنوی شکل وصورت سے۔

الخليق و الخلقة: كريم الطبيعة والخليقة والسليقة اعنى هو بالطبيعة

نیک طبیعت ونیک خلقت (پاک طینت اور نیک طبیعت انسان کو خلیق کہا جاتا ہے۔

الخليق والمختلق : حسن الخلق .[1]

بہترین اخلاق کو خلیق و مختلق کہتے ہیں۔

خلیق وخلیقہ وخلائق: سزاوار خو گری، طبیعت، خو۔یعنی لائق اور خوش طبیعت انسان کو خلیق کہا جاتا ہے

الخَلاق : ما اكتسبه الانسان من الفضيلة بخلق

یعنی جو کچھ انسان اپنے اخلاق کے ذریعہ فضیلت حاصل کرتا ہے اس کو خَلاق کہا جاتا ہے

خلاق: نصیبی از خیر (یعنی خیر اور نیکی کا کچھ حصہ)[2]

خِلاق وخلوق: یعنی خوشبو اور اچھی خو: مثلاً کہا جاتا کہ فلاں انسان میں آدمیت کی خو بھی نہیں پائی جاتی مراد یہ ہے کہ اس کی رفتار وگفتار اچھی نہیں ہے۔

تعریف علم الاخلاق

علم الاخلاق وہ علم ہے جو انسان کو فضیلت اور رذیلت کی پہچان کراتا ہے (کون سا کام اچھا ہے کون سا کام برا ہے، جو انسان کو یہ سب بتائے اس علم کو علم الاخلاق کہا جاتا ہے)۔

---

[1]۔الافریقی، ابن منظور، لسان العرب، 1/ 45

[2]۔الامام، راغب الاسفہانی، المفردات فی غریب القران، (لاہور، المکتبہ القاسمیہ، 1963) ص:297

اخلاق

عربی گرائمر کے اعتبار سے اخلاق "افعال" کے وزن پر ہے اور خُلق کی جمع ہے۔ خُلق انسان کی نفسانی خصوصیات کو کہا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے خَلق انسان کے بدن کی صفات کو کہا جاتا ہے۔

اخلاق: لغت کے اعتبار سے خلق کی جمع ہے جس کے معنی ہیں طبیعت، مروت، عادت۔

اخلاق: روش، شیوہ، سلوک

یعنی طور طریقہ اور رفتار و گفتار کو اخلاق کہتے ہیں۔ پیغمبر اسلام اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے ہیں

" اللهم حسن خلقی کماحسنت خلقی" -

(اے اللہ! میرے خُلق کو بھی اسی طرح بہتر قرار دے جس طرح میرے خَلق میری کو بہتر بنایا ہے۔ (یعنی جس طرح میری خلقت، نیک طینت ہے اسی طرح میرے اخلاق کو بھی اخلاق حسنہ قرار دے)

جب کبھی یہ کہا جائے کہ فلاں شخص کا اخلاق بہت بہتر ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ انسان، نفسانی اعتبار سے صفات حسنہ (بہتر صفات) کا مالک ہے۔[1] انسان کے تمام اعمال، نفسیاتی خصوصیات پر موقوف ہیں۔ یعنی اگر انسان کا اخلاق اچھا اور نیک ہو گا تو اسکے اعمال بھی اچھے ہونگے۔ اسی لئے جب بھی کوئی انسان اچھے کام انجام دیتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ اس کا اخلاق بہت اچھا ہے۔

اخلاق کی اہمیت

اسلام اخلاق کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ قرآن مجید اخلاقی مفاہیم جیسے خیر اور شر، عدل اور ظلم، صبر واحسان پر

زیادہ توجہ دیتا ہے۔[2] اور پیغمبر اکرم ﷺ کی رسالت کا اصلی ہدف انسانوں کے اخلاق کی اصلاح بیان کیا ہے۔[1] مستدرک الوسائل کی ایک روایت کے مطابق پیغمبر اسلام نے اپنی نبوت کے ہدف، اخلاقی فضائل کو تکمیل تک پہنچنا قرار دیا ہے۔[2] محمد

---

[1] ۔ مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، (بیروت، داراحیاالتراث العربی، 1403)21/238

[2] ۔ ڈار، بشیر احمد، فلسفہ اخلاق، (لاہور، ثقافت اسلامیہ، 1958) ص:20

باقر مجلسی نے لکھا ہے۔ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو سنبھالنا دین کا ہدف ہے اور یہ مخصوص اخلاقی احکام کے سائے میں ہی ممکن ہے۔ اسی وجہ سے تو کہا جا سکتا ہے کہ اخلاق کے بغیر دین اپنے اہداف تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔[3]

اسلام کا تصور اخلاق

اسلام اخلاق کا ایک ہمہ گیر تصور دیتا ہے او اس کے لیے ایمان و عقیدے کی نہایت مستحکم اور پائیدار بنیادیں فراہم کرتا ہے۔ سورہ نحل کی آیت:﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴾[4]

ترجمہ:(بے شک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے عدل کا، احسان کا، اور اہل قرابت سے صلہ رحمی کا اور روکتا ہے بے حیائی، برائی اور سرکشی سے وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔)

اس آیت کو کئی مفسرین اور اخلاقی فلسفیوں نے اسلام کے فلسفہ اخلاق کا خلاصہ قرار دیا ہے اور غالباً اسی لیے یہ آیت جمعہ و عیدین کے خطبوں میں سلف صالحین کے دور ہی سے پڑھی جاتی رہی ہے۔ اس میں تین باتوں کا حکم دیا گیا ہے۔ اور تین باتوں سے منع کیا گیا ہے۔ سب سے پہلا حکم عدل کا ہے جو اسلامی اخلاق کا اہم ترین عنوان ہے۔ عدل کا مطلب ہے ہر ایک کو وہ پورا حق دینا جس کا وہ مستحق ہے۔ دوسرا حکم احسان کا ہے یعنی دوسروں کو ان کے حق سے زیادہ دینے کی کوشش کرنا، دوسروں کے جذبات کا لحاظ رکھنا، خیر خواہی، حسن سلوک، مروت اور فیاضی کا معاملہ کرنا اور اس کے لیے ایثار و قربانی سے کام لینا۔ امام راغب اصفہانی نے احسان کی تعریف کرتے ہوئے یہی بات لکھی ہے۔

(والاحسان ان يعطىٰ اكثرمما عليه وياخذ اقل مما له فالاحسان زائدعلى العدل)[5]

---

[1]۔ البقرۃ: 151

[2]۔ مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، 69/375

[3]۔ ڈار، بشیر احمد، فلسفہ اخلاق، ص:223

[4]۔ النحل: 90

[5]۔ الامام، راغب الاسفہانی، المفردات فی غریب القران، 1/165

"احسان یہ ہے کہ جو کچھ اس پر واجب ہے اس سے زیادہ دے اور جو اس کا حق ہے اس سے کم لے، احسان عدل سے زیادہ ہے۔ تیسرا حکم صلہ رحمی کا ہے یعنی ضرورت مند قریبی رشتے داروں کو اپنے مال اور اپنے دیگر وسائل میں حق تسلیم کرنا اور ان کی ضرورت کے موقع پر ان کے کام آنا۔ اس آیت کریمہ میں تین باتوں سے منع کیا گیا ہے۔ فحش یعنی بے حیائی کی باتوں سے، منکرات یعنی ہر اس برائی سے جسے لوگ برا جانتے اور سمجھتے ہیں اور بغی سے جو مولانا مودودی کے الفاظ میں اپنی حد سے تجاوز کرنا دوسرے کے حقوق پر دست درازی کرنا ہے۔[1]

اس آیت میں اسلامی اخلاق کا جو جامع تعارف کرایا گیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی اخلاق کا دائرہ کتنا وسیع ہے۔ حقوق کی ادائیگی اس کا نمایاں ترین اظہار ہے۔ اسی کا نام عدل ہے۔ حقوق کی تفصیل قرآن وحدیث میں آئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا، والدین کا، عزیز و اقارب کا، پڑوسیوں کا، دوسرے مسلمانوں کا، دیگر تمام انسانوں کا اور خود اس کے نفس کا حق ہے۔ ان سارے حقوق کا بالکل درست ادا کرنا عدل ہے۔ جب کہ حقوق کی ادائیگی کے معاملے میں فیاضی کا رویہ اختیار کرنا احسان ہے۔

متعدد نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ دینی احکام کا وہ حصہ جس کا تعلق انسان اور انسان کے مابین معاملات سے ہے، وہ شارع کے نزدیک خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ مشہور حدیث ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے ایک ایسی عورت کا ذکر ہوا جو نفل نماز و روزہ اور صدقات کا خوب اہتمام کرتی تھی لیکن پڑوسیوں کو اپنی زبان سے تکلیف دیتی تھی تو آپؐ نے فرمایا: ھی فی النار (وہ جہنم میں ہے) اس کے مقابلے میں ایک اور عورت جو نفل نماز و روزہ اور صدقے کا تو زیادہ دھیان نہیں رکھتی تھی لیکن پڑوسیوں کو تکلیف نہیں دیتی تھی تو آپؐ نے فرمایا:

هي فی الجنة (وہ جنت میں ہے)[2]۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده "[3]

مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔

---

[1]۔ مودودی، سید ابو الاعلیٰ، تفہیم القران، (لاہور، اسلامی پبلیشرز، 1973) 2/566

[2]۔ الامام، احمد بن حنبل، مسند احمد، (لاہور، مکتبہ رحمانیہ، 2007) ح:9951

[3]۔ القشیری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، ح:161

ایزاءرسانی سے گریز اور اس کے مقابلے میں فیض رسانی یہ اسلامی اخلاق کا خلاصہ ہے۔ اسلام کے اخلاقی تصور کی اس جامعیت، ہمہ گیری اور بلندی کو سامنے رکھ کر جب ہم مسلم معاشرے کا جائزہ لیتے ہیں تو اخلاقی حساسیت کا بحران ایک بڑے بحران کے طور پر ہمارے سامنے آتا ہے۔ ہمارے معاشرے کے اخلاقی نظریات تو بعض مستثنیات کے ساتھ اسلام کے اس عظیم تصور سے ہم آہنگ ہیں۔ لیکن اس کی اخلاقی حساسیت گھٹ کر چند امور تک سمٹ گئی ہے۔

قرآن حکیم کی روشنی میں اخلاقیات کی فلسفیانہ اساس

علم اخلاق یا اخلاقیات کے ذیل میں قرآن حکیم کی اہم ترین تعلیم جو اخلاقیات کی فلسفیانہ اساس بنتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان کے نفس میں اللہ تعالیٰ نے نیکی اور بدی کا شعور الہامی طور پر ودیعت کیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا﴾[1]

اور نفس انسانی کی قسم اور جیسا کچھ اللہ نے اس کو بنایا۔ سنوارا اور اس کی نوک پلک درست کی۔ اور الہامی طور پر اس میں ودیعت کر دیا فجور اور تقویٰ کا علم (نیکی اور بدی کا شعور، خیر و شر کا امتیاز، اثم و بر کے مابین تمیز)۔

اخلاقی اقدار (ethical values) پوری نوع انسانی کی مشترک متاع ہیں۔ ہر دور میں تمام اقوام میں اور ہر علاقے میں ان کو مانا گیا ہے کہ یہ اچھائیاں ہیں، بھلائیاں ہیں، نیکیاں ہیں اور یہ برائیاں ہیں، یہ شر ہے اور یہ خیر ہے۔ جیسے کہ حدیث نبوی میں ہے۔

"اذ اسرتک حسنتک و سائتک سیئتک فانت مومن-[2]

اگر تمہیں کوئی اچھا کام کر کے خوشی ہو اور برا کام کر کے تمہیں خود ملال ہو تو تم مومن ہو۔

یہ احساس ایمان کی علامت ہے۔ معلوم ہوا کہ فطرت مسخ نہیں ہوئی اس فطرت کے اندر خیر و شر کا امتیاز برقرار ہے۔ تبھی تو نیکی کر کے تمہیں مسرت ہوتی ہے، خوشی ہوتی ہے اور اگر کوئی کام غلط ہو گیا ہے، کسی بدی کا ارتکاب ہو گیا ہے تو اس پر تمہیں

---

[1]۔ الشمس:7

[2]۔ الترمذی، محمد بن عیسی، الجامع الترمذی، ح:2389

خود گھٹن محسوس ہوتی ہے تمہیں خود ضیق اور تنگی کا احساس ہوتا ہے۔ یہ علامت ہے اس بات کی کہ فطرت اپنی صورت پر برقرار ہے فطرت مسخ نہیں ہوئی۔ اس سے بھی زیادہ حکیمانہ قول ہے محمد ﷺ کا جو بہت ہی اہم فلسفیانہ حقیقت پر مشتمل ہے۔

(وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي نَفْسِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ)[1]

گناہ وہ ہے جو تمہارے سینے میں کھٹکے اور تم اسے ناپسند کرو کہ وہ کام لوگوں کے علم میں آئے۔

جیسا کہ نفس لوامہ کی قسم کھائی گئی ہے۔

(لا اقسم بیوم القیامة-ولااقسم با لنفس اللوامة)[2]

نہیں! میں قسم کھاتا ہوں روز قیامت کی اور نہیں! میں قسم کھاتا ہوں نفس ملامت گر کی۔

یہ وہ ضمیر ملامت گر ہے کہ اگر ہم سے کسی برائی کا صدور ہو جاتا ہے تو ہمیں اس کی بناء پر اندر ہی اندر کوئی شے ملامت کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ انگریزی میں اسے یوں تعبیر کرتے ہیں۔

یعنی میرا ضمیر مجھے کچوکے دے رہا ہے۔ درحقیقت یہ اسی آیت کریمہ کی ترجمانی(My conscious is biting me)ہے۔ انسان کے انفرادی ضمیر(individual conscious) جس پر مذکورہ بالا حدیث میں اظہار اعتماد کیا گیا ہے یہ ضمیر ایک زندہ حقیقت ہے اور یہ علامت ہے اس بات کی کہ فطرت انسانی اپنی صحت پر برقرار ہے۔ جہاں تک انسانی اخلاقیات کا تعلق ہے تو ان چیزوں کے لیے انسان کسی تلقین یا تعلیم کا حاجت مند نہیں ہے۔ یہ تو اللہ کی عطا ہے۔ یہ دولت اس کے پاس ہے۔ یہ پہچان، یہ فہم، یہ شعور، یہ امتیاز اس کے اندر ودیعت شدہ ہیں۔

کفارہ کے اخلاقی اثرات

اخلاق کسی بھی قوم کی زندگی کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتی ہو۔ اخلاق دنیا کے تمام مذاہب کا مشترکہ باب ہے جس پر کسی کا اختلاف نہیں۔ انسان کو جانوروں سے ممتاز کرنے والی اصل شے اخلاق ہے

---

[1] الترمذی، محمد بن عیسی، الجامع الترمذی، ح:2389

[2] ۔القیامۃ: 2،1

اچھے اور عمدہ اوصاف وہ کردار ہیں جس کی قوت اور درستی پر قوموں کے وجود، استحکام اور بقا کا انحصار ہوتا ہے۔ معاشرہ کے بناو اور بگاڑ سے قوم براہ راست متاثر ہوتی ہے۔ معاشرہ اصلاح پذیر ہو تو اس سے ایک قوی، صحت مند اور باصلاحیت قوم وجود میں آتی ہے۔ اور اگر معاشرہ بگاڑ کا شکار ہو تو اس کا فساد قوم کو گھن کی طرح کھا جاتا ہے۔ جس معاشرہ میں اخلاق ناپید ہو وہ کبھی مہذب نہیں بن سکتا۔ اس میں کبھی اجتماعی رواداری، مساوات، اخوت و باہمی بھائی چارہ پروان نہیں چڑھ سکتا۔ جس معاشرے میں جھوٹ اور بددیانتی عام ہو جائے وہاں کبھی امن و سکون نہیں ہو سکتا۔ جس ماحول یا معاشرہ میں اخلاقیات کوئی قیمت نہ رکھتی ہوں اور جہاں شرم و حیاء کی بجائے اخلاق باختگی کو منتہائے مقصود سمجھا جاتا ہو اس قوم اور معاشرہ کا صفحہ ہستی سے مٹ جانا یقینی ہو تا ہے۔ دنیا میں عروج و ترقی حاصل کرنے والی قوم ہمیشہ اچھے اخلاق کی مالک ہوتی ہے۔ جب کہ برے اخلاق کی حامل قوم زوال پذیر ہو جاتی ہے۔ یہ منظر آپ اس وقت دنیا میں اپنے مشرق و مغرب میں نظر دوڑا کر دیکھ سکتے ہیں۔ کہ عروج و ترقی کہاں اور ذلت و رسوائی کہاں ہے؟ اخلاقیات ہی انسان کو جانوروں سے الگ کرتی ہیں۔ اخلاق کے بغیر انسانوں کی جماعت انسان نہیں بلکہ حیوانوں کا ریوڑ کہلائے گی۔ انسان کی عقلی قوت جب تک اسکے اخلاقی رویہ کے ماتحت کام کرتی ہے تمام معاملات ٹھیک چلتے ہیں۔ اور جب اس کے سفلی جذبے اس پر غلبہ پالیں تو نہ صرف اخلاقی وجود سے ملنے والی روحانی توانائی سے اسے محروم کر دیتے ہیں بلکہ اس کی عقلی استعداد کو بھی آخر کار کند کر دیتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں معاشرہ درندگی کا روپ دھار لیتا ہے اور معاشرہ انسانوں کا نہیں انسان نما درندوں کا منظر پیش کرنے لگتا ہے۔ یہ سب اخلاقی بے حسی کا نتیجہ ہے۔ انسان کی اخلاقی حس اسے اپنے حقوق و فرائض سے آگاہ کرتی ہے۔ اجتماعی زندگی کا اصل حسن احسان، ایثار، حسن معاملات، اخوت، رواداری اور قربانی سے جنم لیتا ہے۔ جب تک اخلاقی حس لوگوں میں باقی رہتی ہے وہ اپنے فرائض کو ذمہ داری اور خوشدلی سے ادا کرتے ہیں اور جب یہ حس مردہ اور وحشی ہو جاتی ہے تو پورے معاشرے کو مردہ اور وحشی کر دیتی ہے۔ تو وہ لوگوں کے حقوق کو خونی درندے کی طرح کھانے لگتا ہے۔ تو ایسے معاشرے میں ظلم و فساد عام ہو جاتا ہے۔ اسلام میں ایمان اور اخلاق دو الگ الگ چیزیں نہیں ہیں۔ ایک مسلمان کی پہچان ہی اخلاق سے ہے۔ اگر اخلاق نہیں تو مسلمان نہیں۔ ہمارے پیارے نبی اکرم ﷺ کائنات میں اخلاقیات کا سب سے اعلیٰ نمونہ ہیں جس پر اللہ کریم جل شانہ کی کتاب لاریب مہر تصدیق ثبت کر رہی ہے۔

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ (٤)﴾ [1]

بے شک آپ عظیم اخلاق کے مالک ہیں۔

---

[1]۔ القلم : 4

گناہ سے دوری

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ انسان جب کسی گناہ کو انجام دیتا ہے تو تہہ دل سے انجام دیتا ہے اور انسان جیسے ہی گناہ کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کے دل پر ایک کالا داغ پڑ جاتا ہے اور وہ داغ صرف توبہ کے ذریعہ پاک ہو سکتا ہے اور جتنا زیادہ گناہوں کا مرتکب ہوتا رہے گا تو اس داغ کی مقدار بھی بڑھتی رہے گی اور پھر اسے دور کرنا نہایت مشکل ہے گناہ ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو خیر و برکت سے محروم کر دیتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ فرماتے ہیں "المعصیۃ تمنع الاجابۃ[1]"معصیت ایک ایسی چیز ہے جو بارگاہ خداوندی میں دعا کے قبول نہ ہونے کا سبب ہے۔

کفارہ کا انسان کے اخلاق پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ کفارہ کے سبب انسان گناہ سے نفرت کرنا شروع کر دیتا ہے اور انسان کو گناہ سے گھن آنا شروع ہو جاتی ہے یہی کفارہ کا مقصد بھی ہے کہ انسان گناہ اور معصیت کے ہر کام کو ترک کر دے اور صرف اللہ کی رضا و خوشنودی والے کام سر انجام دے۔

دین سے وابستگی

آج کی دنیا میں دینی وابستگی مشکل ہی نہیں بعض حالات میں تو ناممکن ہوتی جا رہی ہے۔ مسلمانوں کی عزت اور کامیابی دین سے وابستگی میں پوشیدہ ہے۔ موجودہ حالات میں جب کہ لوگ بے دینی بلکہ گمراہی کا شکار ہو رہے ہیں اور غلط عقائد میں مبتلا ہو رہے ہیں ہمارا فرض بنتا ہے کہ دینی وابستگی کو فروغ دیں۔ باہمی جدوجہد کے ذریعے مسلمانوں کی راہ نمائی کا فرض انجام دیا جائے۔ دین سے وابستگی کی اہمیت کو اجاگر کر کے ہی لوگوں کو دین کی طرف رغبت دلائی جا سکتی ہے۔ یہی وہ صورت ہے کہ جس کے ذریعے غلط عقائد سے اور فتنوں سے بچا جا سکتا ہے۔ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنا ہی ہمیں دین سے وابستہ رکھنے میں معاون ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے

(وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا[2])اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور آپس میں تفرقہ نہ کرو۔

کفارہ کا اخلاق پر یہ اثر ہوتا ہے کی دین سے وابستگی میں اضافہ ہوتا ہے۔ دین سے قربت پیدا ہوتی ہے۔ دین سے وابستگی کے سبب بداعمالی اور بد اخلاقی سے انسان محفوظ و مامون ہو جاتا ہے۔

---

[1]۔ الآمدی، عبدالواحد، غرر الحکم ودرر الکلم (بیروت، دار الھادی، 1983) ص:32

[2]۔ آل عمران:103

شریعت سے آگاہی

اللہ تعالی کی طرف سے نازل ہونے والے مجموعہ قوانین کو شریعت کہتے ہیں۔بنی نوع انسان عقل وسوچ کی مالک ایک مخلوق ہے۔جو کہ عقل کی وساطت سے حاصل کردہ معلومات کے درمیان تعلق قائم کرسکنے کی اہل ہے۔ انسانی ذہن کو متاثر کرنے والا نظریہ دین کائنات کی تمام تر مخلوقات میں سے محض انسان سے تعلق رکھتاہے۔اس بناپر دین، ذہن وعقل کے مالک، سوچ بچار کرسکنے والے بنی نوع انسانوں پر ہی اُتارے گئے ہیں۔دوسرے الفاظ میں دین ومذہب کا تعلق صرف اور صرف انسان سے ہی ہے۔یہ دین کے بارے میں معلومات سے آگاہی حاصل کرتے ہوئے ان کو سوچنے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ جس کے بعد یہ اسے قبول کرتا ہے یا پھر رد کر دیتا ہے۔بہر حال انسان، سوچ بچار کرنے والی اور اس کو زیر لب لاسکنے والی ایک باشعور مخلوق کی حیثیت سے دین کے بارے میں یا دین کے نام پر اس میں یا پھر اس کے برخلاف بات چیت کرنے کی خصوصیات کا مالک ہے۔کفارات سے مرتب ہونے والے اثرات میں سے ایک خاص اثر جو انسانی زندگی اور خاص طور پر اخلاق میں ایک مثبت تبدیلی لاتا ہے وہ شریعت اور شرعی قوانین سے آگاہی ہے۔شریعت سے آگاہی کے ذریعے ہی صحیح اور غلط کی پہچان کی جاسکتی ہے۔اسی آگاہی کے سبب ہی دین پر عمل کرنا آسان ہو جاتاہے۔یہ آگاہی ہمیں قرآن پاک کی تعلیمات میں واضح دکھائی دیتی ہے کہ قرآن نے ہر چیز کو واضح بیان کر دیاہے۔ارشاد باری تعالی ہے

(وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ[1])

اور ہم نے آپ پر کتاب نازل کی جو ہر چیز کو واضح کر دینے والی ہے۔

احکامات پر عمل

اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کو بے شمار نعمتوں سے نوازاہے، خلقِ آدمؑ سے لے کر قیامت تک آنے والے بندۂ اخیر تک اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا لازوال سلسلہ اپنے بندوں پر جاری رہے گا،ایسی نعمتیں کہ جن کا استحضار و احاطہ کرنا بھی عقل انسانی کے بس میں نہیں۔انہیں نعمتوں میں سب سے افضل،اعلیٰ بلکہ یوں کہیں کہ محبوب ترین نعمت انسانیت کو ایمانی دولت سے سرفراز کرنا ہے۔ایمان کی دولت وہ نعمت ہے جس کا کوئی بدل نہیں،یہی وہ نعمت ہے جو مخلوق کو اپنے خالق کے قریب کرتی ہے،جو اس دولت سے مالامال نہیں،اس کے لیے خسارہ اور بربادی کا اعلان کیا گیاہے،چنانچہ قرآن کریم میں اللہ پاک فرماتے ہیں:

(وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ[2])

زمانہ کی قسم!بے شک تمام انسان خسارے میں ہیں،سوائے ان کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے۔

---

[1]. النحل:89

[2].العصر : 1,2,3

ایمان ہی وہ قیمتی اثاثہ ہے جو ہر طرح کی کامیابیوں سے انسان کو نواز دیتا ہے۔ ایمان اور عمل صالح احکامات پر عمل پیرا ہونے کا دوسرا نام ہے۔ کفارہ کا حکم احکامات پر عمل کروانے میں ممد و معاون ہے۔ ہر انسان کا یہ اپنا اخلاقی فرض ہے کہ وہ اپنی طرف متوجہ ہونے والے احکامات پر عمل کرے۔ کفارہ انسان کو عمل کرنے پر ابھارتا ہے۔

کفارہ کے روحانی اثرات

لفظ روح کی لغوی و اصطلاحی تحقیق

روح (ruuh)، اصل عربی، روح کے اردو معانی: جان، آتما، جذبہ، اسپرٹ، کسی چیز کا جوہر، خلاصہ

حضرت جبرئیل. دل، جی، منشا، اندرونی خواہش یا نیت، عندیہ و مقصد، قوت، توانائی

روح ایک جسم لطیف بخاری ہے جو اخلاط محمودہ کی لطافت اور بخاریت سے بطنِ ایسر یعنی دل کے بائیں بطن میں پیدا ہوتا ہے یعنی جب لطیف خون دل کے بائیں بطن میں آتا ہے اور وہاں آکر مقامی حرارت سے اسکا لطیف حصہ بخار کی صورت میں تبدیل ہوتا ہے اس بخار (بھاپ) کو اطباء روح کہتے ہیں.

(تصوف) روح، وجہ خاص حق ہے اور کل ارواح اسی کی فروع ہیں۔ ہر مرتبہ میں حسب استعداد جمادی اور نباتی اور حیوانی اور انسانی کے۔ وحی اللہ کا حکم وامر، قرآن، پیغامِ خداوندی

روح کیا ہے؟

روح کی تعریف سادہ سے الفاظ میں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک جاندار کی روح سے مراد اسکی وہ قوتِ حیات ہوتی ہے جو کہ اسکو غیر جانداروں اور بے جان شدہ جانداروں سے منفرد بناتی ہے۔ روح کی طبی اور سائنسی تشریح پر مختلف طبقہ فکر اور علماء مختلف انداز فکر رکھتے ہیں۔ ارشاد باری ہے:

﴿ویسأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي ﴾[1]

ترجمہ: اور پیغمبر یہ آپ سے روح کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ تو کہہ دیجئے کہ یہ میرے پروردگار کا ایک امر ہے"۔

گزشتہ اور موجودہ دور کے مفسرین نے روح کے معنی اور اس آیت کی تفسیر کے بارے میں بہت کچھ کہا ہے۔ ہم پہلے روح کی تعریف سادہ سے الفاظ میں تو یوں کہہ سکتے۔ ہیں کہ ایک جاندار کی روح سے مراد اسکی وہ قوتِ حیات ہوتی ہے جو کہ اسکو غیر

---

[1] ۔الاسراء : 85

جانداروں اور بے جان شدہ جانداروں سے منفرد بناتی ہے۔ روح کی طبی اور سائنسی تشریح پر مختلف طبقہ فکر اور علماء مختلف انداز فکر رکھتے ہیں۔

ترجمہ "اور پیغمبر یہ آپ سے روح کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ تو کہہ دیجئے کہ یہ میرے پرودگار کا ایک امر ہے"۔

گزشتہ اور موجودہ دور کے مفسرین نے روح کے معنی اور اس آیت کی تفسیر کے بارے میں بہت کچھ کہا ہے۔ ہم پہلے لغت کے اعتبار سے روح کے معنی کے بارے میں گفتگو کریں گے۔ اس کے بعد قرآن میں یہ لفظ جہاں جہاں آیا ہے اسے دیکھیں گے اور اس سلسلہ میں وارد شدہ روایات بھی بیان کریں گے۔ لغت کے لحاظ سے روح دراصل نفس اور دوڑنے کے معنی میں ہے بعض لغویوں نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ روح اور ریح (ہوا) ایک ہی معنیٰ سے مشتق ہیں اور روح انسان جو مستقل اور مجرد گوہر ہے اسے اس نام سے اس لئے موسوم کیا گیا کہ یہ تحرک، حیات آفرینی اور ظاہر نہ ہونے کے لحاظ سے نفس اور ہوا کی طرح ہے۔ قرآن حکیم میں یہ لفظ مختلف اور متنوع صورت میں آیا ہے۔ کبھی یہ لفظ انبیاء و مرسلین کو ان کی رسالت کے فریضے کی انجام دہی میں تقویت پہنچانے والی مقدس روح کے معنیٰ میں آیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ﴾[1]

ترجمہ ا: ور ہم نے عیسی ابن مریم کو کھلی ہوئی نشانیاں دی ہیں اور روح القدس کے ذریعہ ان کی تائید کی ہے"۔

کبھی یہ لفظ مومنین کو تقویت بخشنے والی اللہ کی روحانی اور معنوی قوت کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالی ہے۔

﴿ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِنْهُ [2]﴾

ترجمہ: اللہ نے صاحبان ایمان کے دلوں میں ایمان لکھ دیا ہے اور ان کی اپنی خاص روح کے ذریعہ تائید کی ہے۔

اور کبھی وحی کے خاص فرشتہ کے مفہوم میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے اور امین کے لفظ سے اس کی توصیف کی گئی ہے۔

﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ ﴾[3]

ترجمہ: اسے روح الامین لے کر آیا ہے آپ کے دل پر تاکہ آپ لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں۔

کبھی یہ لفظ خدا کے خاص فرشتوں میں سے ایک عظیم فرشتہ یا فرشتوں سے برتر ایک مخلوق کے معنیٰ میں آیا ہے۔

" تنزل الملائكةُ والرُّوحُ فيها بإذْن ربّهم من كل امر"[1]

---

[1]۔البقرہ: 253

[2]۔المجادلہ:22

[3]۔الشعراء : 193

ترجمہ: اس میں ملائکہ اور روح القدس اذن خدا کے ساتھ تمام امور کو لے کر نازل ہوتے ہیں۔

ترجمہ: جس دن روح القدس اور ملائکہ صف بستہ کھڑے ہوں گے۔

کبھی یہ لفظ قرآن اور وحی آسمانی کے معنی میں آیا ہے مثلاً اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روح (قرآن) کی وحی کی ہے۔

کبھی یہ لفظ روح انسانی کے معنی میں آیا ہے جیسا کہ خلقت آدم سے متعلق آیات میں بیان ہوا ہے۔

﴿ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ﴾[2]

ترجمہ: اس کے بعد اسے برابر کر کے اس میں اپنی روح پھونک دی ہے۔

اسی طرح ارشاد ہوتا ہے۔

ترجمہ: پھر جب مکمل کرلوں اور اس میں اپنی روح حیات پھونک دوں تو سب کے سب سجدہ میں گر پڑنا".[3]

تزکیہ نفس

کفارات کا جیسے اخلاق پر اثر ہوتا ہے اسی طرح روح پر بھی کفارات کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ روح پر مرتب ہونے والے اثرات میں تزکیہ نفس سب سے پہلے ہے۔ تزکیہ صفائی کو کہا جاتا ہے اور نفس جان کے لیے بولا جاتا ہے۔ تزکیہ نفس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی روح کی صفائی ہو جاتی ہے۔ اور قرآن حکیم نے تزکیہ کو لازمی قرار دیا ہے۔ تزکیہ کے نتیجے میں انسان کی روح آلودہ ہونے سے بچ جاتی ہے اور مومن کا دل نیکی اور خیر کے کام کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اس طرح کفارہ کے ذریعے تزکیہ نفس ہو جاتا ہے۔

روح کی اصلاح

روح کی اصلاح سے مراد یہ ہے کہ روح اچھے کام کی طرف مائل ہو اور برے کام کرنے سے روکنے کی طرف لائے۔ انسان جسم اور روح دونوں سے مرکب ہے۔ روح کی اصلاح عمل کی اصلاح کی پہلی سیڑھی ہے۔ روح کی اصلاح کی صورت میں ہی نیک کام

---

[1]۔ القدر: 4

[2]۔ السجدۃ: 9

[3]۔ الحجر: 29 .

سر انجام دیا جا سکتا ہے۔ کفارہ کی ادائیگی سے روح کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ کفارہ غلطی کے سبب ادا کیا جاتا ہے۔ جب انسان اس چیز کا ادراک کر لیتا ہے کہ غلطی کی وجہ سے مجھ پر کفارہ دینا لازم آتا ہے تو وہ غلط اور صحیح کو اللہ کی مرضی کے مطابق پہچاننے کی کوشش کرتا ہے۔ اس ادراک اور اس کوشش کے دوران اس کی روح کی اصلاح بھی ہو رہی ہوتی ہے۔

روح کی پاکیزگی

پاکیزہ روح میں خیر اور بھلائی غالب ہوتی ہے۔ گناہ سے آلودہ روح میں شر اور فساد غالب ہوتا ہے۔ کفارہ کے ذریعے انسان کی روح پاکیزہ ہو جاتی ہے اور وہ خیر اور بھلائی کے کاموں کی متوجہ ہو جاتا ہے۔ پاکیزہ روح اللہ کی مرضی اور خوشی کے کام میں خوش ہوتی ہے اور گناہوں میں آلودہ روح اللہ کی مرضی کے خلاف کام کرنے اور گناہ کرنے پر ابھارتی ہے۔ کفارہ کی وجہ سے انسان کی روح گناہوں سے آلودہ ہونے سے بچ جاتی ہے۔ کفارہ کے سبب روح کا میلان نیکی کی طرف رہتا ہے۔

روح سے کیا مراد ہے؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ روح سے کیا مراد ہے؟ یہ کس روح کا تذکرہ ہے کہ جس کے بارے میں کچھ لوگوں نے رسول اکرم ﷺ سے سوال کیا اور آپ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ روح میرے رب کے امر میں سے ہے۔ اور تمہارے پاس صرف تھوڑا سا علم ہے۔ یہاں پر روح کی اضافت خدا کی طرف اظہار عظمت کے لئے ہے۔

اور مراد یہ ہے کہ خدا نے انسانوں کو ایک عظیم اور مقدس روح بخشی ہے۔ آیت کے اندرونی اور بیرونی قرائن سے ایسا لگتا ہے کہ سوال کرنے والوں نے انسان کی روح سے متعلق سوال کیا ہے۔ وہی عظیم روح جو انسان کو حیوانات سے جدا کرتی ہے جو ہمارا افضل ترین شرف ہے جو ہماری تمام تر طاقت اور فعالیت کا سرچشمہ ہے، جس کی مدد سے ہم زمین و آسمان کو اپنی جولان گاہ بنائے ہوئے ہیں جس کے ذریعہ ہم علمی اسرار کی گتھیاں سلجھاتے ہیں، جس کے ذریعہ ہم موجودات کی گہرائیوں تک پہنچنے کا راستہ پاتے ہیں۔ روح کی ساخت، مادہ کی ساخت سے مختلف ہے اس پر حاکم اصول، مادہ پر حاکم اصولوں اور طبیعی اور کیمیائی خواص سے مختلف ہیں لہذا رسول اللہ صلی ﷺ کو حکم دیا گیا کہ وہ مختصر اور پر معنی جملہ کہیں کہ روح عالم امر میں سے ہے۔ یعنی اسکی خلقت پر اسرار ہے۔ اس کے بعد اس بنا پر کہ انہیں اس جواب پر تعجب نہ ہو مزید فرمایا

(قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا)[1]
تمہارا علم بہت کم ہے لہذا کون سے تعجب کی بات ہے کہ تم روح کے اسرار نہ جان سکو اگرچہ وہ ہر چیز کی نسبت تم سے زیادہ قریب ہے۔

ابو القاسم قشیری کا قول

ابو القاسم قشیری کا قول ہے کہ افضل ترین فلاسفر اس مسئلے پر سکوت فرما چکے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تقدیر کی طرح ایک راز ہے۔

امام قشیری کا دوسرا قول ہے کہ: روح کی صورت کا اجسام لطیفہ سے ہونا بالکل ملائکہ اور جنات کی طرح ہے۔

ابو الشیخ الاصبھانی کا قول

ابو الشیخ الاصبھانی نے کتاب العظمہ میں اور ابن عبد البر نے تمہید میں وہب بن منبہ سے روایت کیا ہے کہ انسان کا نفس بھی چوپا یوں کی طرح پیدا کیا گیا ہے وہ خواہشات رکھتا ہے اور انسان کو برائیوں کی طرف بلاتا ہے اور اس کا مسکن شکم ہے۔ انسان کی فضیلت اس کی روح سے ہے اس کا مسکن دماغ ہے۔ انسان اس سے حیات رہتا ہے۔ یہی انسان کو بھلائی کی دعوت دیتی ہے پھر وہب نے اپنے ناک سے ہاتھ پر ہوا نکال کر کہا کہ دیکھو کہ یہ خشک ہے کیونکہ یہ روح سے ہے اور پاخانہ کے راستے نکلنے والی ہوا گرم ہے کیونکہ وہ نفس سے ہے۔

شیخ عزالدین ابن سلام کا قول

شیخ عزالدین ابن سلام فرماتے ہیں کہ: ہر انسان میں دو ارواح ہیں۔ ایک روح یقظہ ہے یعنی وہ روح کہ جب وہ جسم میں ہو تو عادتاً انسان بیدار ہوتا ہے اور جب نکل جائے تو عادتا انسان سو جاتا ہے اور خواب دیکھتا ہے۔ اور دوسری روح حیات ہے کہ جب وہ جسم میں ہو تو عادتاً انسان زندہ رہتا ہے اور جب جسم سے نکل جائے تو عادتاً وہ لقمہ اجل ہو جاتا ہے اور جب وہ روح لوٹ آئے تو جسم زندہ ہو جاتا ہے یہ دونوں ارواح کے اندر مخفی ہیں۔ اللہ ہی ان کے مسکن کا علم رکھتا ہے۔

لفظ روح قرآن میں کتنی دفعہ؟

اگر گہرائی سے دیکھا جائے تو قرآن پاک سراسر روح کے تذکروں سے مملو ہے اس کے علاوہ ظاہر میں روح کے

مترادفات بھی بہت زیادہ ہیں لیکن یہاں سوال صرف لفظ روح کے بارے میں ہے لہذا یہی بتانا کافی ہے کہ روح کا لفظ قرآن میں 24 دفعہ مذکور ہے۔

---

[1] ۔الاسراء:85

اوصاف روح

روح ایک حقیقت ہے، ایک جوہر بسیط، ایک لطیف زندگی، ایک عظیم دنیا، ایک باطنی شعور، ایک حقیقی بیداری ایک بے مثال شے، ایک مخفی خزانہ، ایک لازوال سلطنت، ایک نورانی ہستی، ایک خدائی عکس، ایک قدیم ذات، ایک توحید صفات، ایک نمونہ حیات، ایک لطیف کائنات، ایک آئینہ معجزات، ایک سرچشمہ برکات، ایک جامع آیات، ایک مجموعہ حالات، ایک مرکز عنایات، ایک وسعت جنات اور ایک رفعت درجات ہے۔ روح ایک ایسا آئینہ ہے جس میں ہر آن اور ہر لمحہ جمال الٰہی اور جلال ربانی کی ایک نئی تجلی ظہور پذیر ہوتی ہے۔ روح ایک لطیف کائنات ہے جس پر ہر چیز بشکل لطیف موجود ہے، روح ایک ایسا آئینہ ہے جس میں رب العزت کے تمام ازلی، ابدی، مکانی اور لامکانی معجزات کا مشاہدہ ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی برکتوں کا سرچشمہ ہے ۔جس میں آیات قدرت جمع ہیں۔[1]

اسلام کا روحانی نظام

اس دور میں جو احیائی تحریکیں پے درپے ناکامیوں سے دوچار ہو رہی ہیں اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ ایمان کی وہ منزل یا ایمان کا وہ درجہ جس میں ایمان یقین کو پہنچ جائے وہ ایک (burning faith) اور ایک (living faith) کی شکل اختیار کرلے اور اس کی حرارت انسان کو اپنے باطن میں محسوس ہو، یہ کیفیت نہیں ہے۔ بلکہ کچھ قیل و قال کچھ فسلفیانہ و متکلمانہ گفتگو اور کچھ دلیل واستدلال سے کوئی بات ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اس کے نتیجے میں کچھ آگے چلتے بھی ہیں تو تھوڑی دیر میں ہمت جواب دے جاتی ہے۔ وہ استقامت جو محبت خداوندی سے پیدا ہوتی ہے، غیر موجود ہے۔ اگر پاؤں وہاں جمے ہوئے نہیں تو استقامت ممکن نہیں۔ اگر یہ استقامت نہ ہوگی تو دائیں بائیں سے کسی راہ یسیر (short cut) کی تلاش ہوگی اور فوری نتیجہ برآمد کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ انسان کی حقیقت کو اگر نہیں سمجھا جیسا کہ قرآن میں بیان ہوئی ہے تو اسلام کے روحانی نظام کو سمجھنا ممکن نہیں۔ اگرچہ وہ بطرز جلی بیان نہیں ہوا۔ انسان کا وجود مرکب وجود ہے ایک اس کا حیوانی وجود ہے جو اس کے جسد خاکی اور اس کی جان کا مجموعہ ہے جبکہ ایک اس کا روحانی نظام ہے جو اس کی روح پر مشتمل ہے۔ دونوں کا علیحدہ آزاد (independent) تشخص ہے۔ دونوں اپنے اپنے تقاضے رکھتے ہیں اور یہ تقاضے بہت حد تک ایک دوسرے سے متصادم اور متضاد ہیں۔ دونوں کے رجحانات میں بعد المشرقین ہے۔ انسان کے اندر جو دو وجود ہیں، دونوں کے تقاضے مختلف ہیں۔ روح کے لیے جسد انسانی درحقیقت قید خانہ ہے۔ جسد پر روح کا غلبہ ہو جائے تو پھر پوری دنیا بندہ مومن کے لیے قید خانہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ روح ہمارے وجود کے پنجرے میں قید ہے اور اپنے رب کی طرف رجوع کرنا چاہتی ہے اس کا میلان رب کی طرف ہے۔ اسے اگر تسکین حاصل ہوتی ہے تو ذکر رب سے ہوتی ہے۔ اسے اگر انشراح ہوتا ہے تو معرفت رب سے ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسا

---

[1]۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، اسلام کا نظام حیات، (لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، 1948) ص:22

اتصال اور ایسا قرب ہے جسے ہم کسی شے پر قیاس نہیں کرسکتے۔ اس روحانی وجود کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا بڑا گہرا رشتہ اور گہرا تعلق ہے۔ ہر انسان خود اپنے اندر محسوس کرتا ہے کہ اندر ایک خیر وشر کی کشمکش برپا ہے۔ یہ انسان کے باطنی خیر وشر کا مظہر ہے۔

روح اور اخلاق کے مابین تعلق

روحانی اور اخلاقی بیماریاں انسان کی باطنی شخصیت کے بگاڑ کا سبب بنتی ہیں۔ آج ہم اپنے مادی جسم کو سنوارنے پر بہت زیادہ توجہ دیتے ہیں، ظاہری چمک دمک کو ہی کامیابی کا معیار سمجھا جاتا ہے جبکہ ایک مومن کی حقیقی کامیابی قلب و روح کو سنوارنے میں مضمر ہے۔ اکیسویں صدی جہاں سائنسی ترقی و مادی ترقی کے عروج کا مشاہدہ کر رہی ہے۔ وہیں بد قسمتی سے اسے اخلاقی اور روحانی زوال بھی پیشہیں۔ کفارہ انسان کو روح کی پاکیزگی کی طرف لے جاتا ہے۔ گناہوں سے دوری یہ کفارہ کا انسان کی روح پر ایک خاص اثر ہے۔ جس طرح جسم اثر قبول کرتا ہے اسی طرح روح بھی اچھا برا اثر قبول کرتی ہے۔ اچھے اعمال روح کو پاک صاف کر دیتے ہیں اور برائیاں روح کو میلا کر دیتی ہیں۔

انسانی معاشرے بحیثیت مجموعی اخلاقی اقدار سے محروم ہوتے جارہے ہیں اور انسان کا باطن روحانی تعلیم وتربیت سے محرومی کے سبب تاریک۔ ہمارا سماج اخلاقی اور روحانی اعتبار سے شدید پیاس کی کیفیت میں مبتلا ہے۔ عصر حاضر میں نام نہاد روشن خیال، تعلیم یافتہ طبقہ مغربی تعلیم و مغربی رسومات کو ہر مسئلہ کا حل سمجھنے لگا ہے۔ ہماری تاریخ نے اس کی نفی کی ہے اور ہماری روحانی حالت میں بہتری کی بجائے ابتری آئی ہے۔ آج ہمارے معاشرے میں جن برائیوں نے جڑ پکڑ لی ہے یہ اس لئے ختم نہیں ہو سکتیں کہ ان کا حل صرف مادی ترقی میں ڈھونڈا جارہا ہے جبکہ روحانی تربیت کے بغیر یہ ناممکن ہے کیونکہ روحانی تربیت حقیقت کو جاننے اور اپنے خالق کی خوشنودی پانے کا نام ہے۔ جو شخص اللہ اور اللہ کی خوشی و رضا کو اپنا مقصد حیات بنالے تو کیا وہ جھوٹ بول سکتا ہے، بے ایمانی، ناانصافی، قتل وغارت یا کسی کے ساتھ زیادتی کر سکتا ہے۔ دوسرے کے حق پر ڈاکہ ڈال سکتا ہے۔ یتیم کا مال ہڑپ کر سکتا ہے۔ جس کے بارے میں وعید آئی ہے کہ

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا﴾[1]

(ترجمہ: بے شک جو لوگ یتیموں کے اموال ظلم سے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ کے سوا کچھ نہیں کھاتے اور وہ عنقریب بھڑکتی آگ میں داخل ہوں گے۔)

غیر اخلاقی جرم کا ارتکاب کر سکتا ہے۔ اپنے فرائض مذہبی، انسانیت سے غفلت برت سکتا ہے۔ ہر گز نہیں۔ روحانی پہلو انسانی زندگی کا اعلیٰ اور برتر پہلو ہے۔ انسانصرف جسم نہیں کہ محض جسمانی تقاضوں کا قیدی بن کر دنیا میں رہے اور اپنی خواہشات و مفادات کی غلامی کر کے یہاں سے چلا جائے اور مٹی میں مل کر خاک ہو جائے بلکہ انسان کے سامنے ایک اعلیٰ مقصد کفارہ اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے۔ اور کفارہ کا مقصد یہ ہے کہ اس دنیا کے اندر رہ کر اللہ تعالیٰ کے فرمودات کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال کر اس طرح جیے کہ اس کی تمام خواہشات، اغراض و مقاصد اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہم آہنگ ہو جائیں۔ وہ اپنے ہاتھوں، پیروں اور دماغی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اس دنیا کے وسائل سے بھرپور استفادہ کرے مگر اس طرح کہ اس کا اصل مقصد اللہ کی بندگی اور اس کی رضا کا حصول ہو- اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اللہ نے اس کو بھرپور صلاحتیں دی ہیں۔ اگر انسان ان کو کام میں لائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق اپنی خواہشات کو ڈھال سکتا ہے لیکن اگر وہ ان صلاحیتوں کو نظر انداز کرتا ہے تو وہ محض ایک چالاک جانور ہے۔[2]

چونکہ انسان روح اور جسم کا مجموعہ ہے۔ روح ایک بہت ہی پاکیزہ چیز ہے جو جسم کی طرح دکھائی تو نہیں دیتی لیکن نایاب ہوتی ہے۔ حقیقت ہوتی ہے۔ انسان جسم کی نیوٹریشن (غذائیت) کو تو پورا کرتا ہے لیکن افسوس کہ روح کو بھوکا رکھتا ہے، پیاسا رکھتا ہے اور جب روح ہی بھوکی پیاسی رہے گی تو پھر معاشرے کا انتشار کیونکر ختم ہو گا۔ جسم کی طرح روح کی بھی غذا ہوتی ہے اور روح کی غذا ایمانیات، احساسات، جذبات، اخلاقیات اور تصورات یہ سب روح کی غذائیں ہیں۔ انسان کے پاس قلب و ضمیر کی

---

[1]۔ النساء:10

[2]۔ علوی، نذیر احمد، بڑے عذاب کا ڈر (لاہور، ضیاالقرآن پبلیکیشنز، 2013) ص:8

دولت بھی ہے اور جسمانی طور پر بھی وہ اللہ تعالیٰ کی بہترین تخلیق ہے۔اس لئے اس کی زندگی میں اکثر روحانی اور جسمانی قوتوں کی کشمکش رہتی ہے۔اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ زندگی کا ایک امتحان ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ﴾[1]

(اور یقیناہم تمھیں خوف اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی میں سے کسی نہ کسی چیز کے ساتھ ضرور آزمائیں گے اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری دے دیں۔)

اس میں کامیاب وہ ہے جو اپنی روحانی قوتوں کو بیدار اور غالب رکھے اور اپنے جسمانی تقاضوں کو روحانی مطالبات کے تابع رکھے۔اس جدوجہد میں اللہ تعالیٰ انسان کی مدد فرماتا ہے۔بشرطیکہ وہ مدد کا طلب گار ہو۔زندگی کے امتحان میں اللہ کی مدد اور رہنمائی سے ہی کامیابی ملتی ہے۔جس طرح قرآن اور حدیث میں انسانوں کو ہدایات اور احکامات دئے گئے کہ کیا جائز ہے کیا نا جائز ہے۔اسی طرح یہ راہنمائی بھی فراہم کی گئی ہے کہ اللہ کی مرضی کے مطابق اپنی خواہشات پر قابو پانے کے طریقے کیا ہیں۔اسی راہنمائی کا نام کفارہ ہے،روحانیت ہے اور تزکیہ نفس ہے۔چونکہ انسان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے وہی جانتا ہے کہ انسان کے باطن میں کیا خرابیاں پیدا ہوئی ہیں اور ان پر کیسے قابو پایا جا سکتا ہے۔قرآن وحدیث کی روحانی تعلیمات میں یہی سمجھایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت دل لگا کر کیسے کی جائے،اللہ کے بندوں سے کیسے رحمدلی سے پیش آیا جائے،دل کو نیکی کی جانب راغب کیا جائے،برائی سے نفرت،غصہ،شہوت،لالچ،کینہ،بغض وعداوت،حسد اور غیبت پر کس طرح قابو پایا جائے اور بچا جائے۔جب انسان مسلسل اپنی اصلاح کی فکر کرتا ہے تو باطنی بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں اور وہ ہر کام خوشی سے کرتا ہے جو اللہ کی خوشنودی ہے اللہ کی مرضی ہے۔اس اصلاح اور تربیت کا نام کفارہ ہے جو بطور تحریض وارد ہوا ہے تاکہ لوگ گناہوں سے دور رہیں کیونکہ گناہ اور معصیت ایک سنگین اور مہلک ترین روحانی مرض ہے۔اس کی حقیقت خدائے برتر کی نافرمانی اور حکم عدولی ہے۔

گناہ وہ مضر شے ہے جس سے انسان کے قلب میں زنگ لگ جاتا ہے۔اور دل سیاہ ہو جاتا ہے۔معصیت کا نقد نقصان اور فوری نحوست یہ ہے کہ اس بندے کا اللہ تعالیٰ سے تعلق گھٹ جاتا ہے۔نافرمانی اور گناہوں کی پاداش میں اللہ کی رحمتیں،برکتیں رک

---

[1]۔البقرۃ:155

جاتی ہیں اور مختلف شکلوں میں مصائب اور تکالیف کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے گناہ اوراور معصیت سے پاک صاف ہونے اور تطہیر قلب کے لیے کفارہ کی صورت تدبیر اور طریقہ بنایا ہے۔ اسلام کی ہدایات اور تعلیمات چند رسومات کی ادائیگی نہیں ہے بلکہ ان سب میں انسانی جسم وروح کی اصلاح اور بالیدگی کا ایک تصور کار فرما ہے۔ ان میں روحانی ومادی ہر دو اعتبار سے ایک فکر اور فلسفہ کار فرما ہے۔ کفارے کو اللہ رب العزت نے تزکیہ نفس اور تقوی کا عمل قرار دیا ہے۔ جس کی برکات سے بندہ مومن کی سیرت و کردار میں صدق واخلاص، زہد وورع، صبر واستقامت، تحمل وبرداشت جیسے اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی کفارہ ادا کرنے سے انسان کے اندر احساس ذمہ داری پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح ایک اچھا معاشرہ تشکیل پاتا ہے جس کے افراد کے اندر اپنی معاشرتی ذمہ داریوں کو پورے طور پر ادا کرنے کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

کفارہ معاشرے کی اخلاقی، روحانی، قانونی، تہذیبی اور اجتماعی اصلاح کی فضا پیدا کرتا ہے۔ مسلم معاشرے کے تمام افراد کے اندر زبردست اجتماعی احساس پیدا کرتا ہے۔ چونکہ اسلام میں رہبانیت یعنی ترک دنیا حرام ہے۔ روحانیت کا مطلب رہبانیت نہیں بلکہ تزکیہ نفس ہے۔ صاحب امر کی فرمانبرداری میں کامیاب عبادت وبندگی، مومنین کی خدمت اور عاجزی اختیار کرنے سے یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔ اور خداوند عالم نے کفارہ کا یہ نظام اہل ایمان کی روحانی ترقی ہی کے لئے بنایا ہے۔ الغرض پورے دین کا بنیادی نکتہ فرد کی روحانی اصلاح اس کی روحانی ترقی، روزمرہ کے معاملات میں سرخروئی، آپسی حقوق کی احسن طریقے سے ادائیگی معاشرہ کے عادلانہ نظام اور کامیاب زندگی پر محیط ہے۔ اگر ہماری قوم کو تاریخ میں زندہ قوموں کی طرح اپنا مقام بنانا ہے تو مادی ترقی کے ساتھ ساتھ روحانی تربیت اور ترقی بھی کرنا ہو گی۔ اپنی نفسانی خواہشات کو قابو میں رکھنا ہو گا۔ روحانی تربیت سے ہی انسان اپنی صلاحیتوں اور کمزوریوں سے واقف ہوتا ہے۔ صبر وشکر کا امتزاج بنتا ہے۔ خود کو پہچانتا ہے۔ اپنے رب کو پہچانتا ہے اور حقیقی نفع ونقصان میں تمیز کرنے لگتا ہے۔ اس کو دنیاوی نفع ونقصان کی فکر نہیں ہوتی کیونکہ وہ یہ کام صحیح مقصد زندگی کو حاصل کرنے کے لئے کرتا ہے۔ ہماری قوم کو روحانیت کی طرف راغب کرنے اور تربیت دینے کی اشد ضرورت ہے۔ اسی سے عزت نفس، خودداری، اخلاق اور اخلاص پیدا ہو گا، کردار سازی ہو گی، سوچ بدلے گی، رویوں میں تبدیلی آئے گی اور ہر شخص صرف اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے جینا شروع کر کے ازلی خوشی اور قلبی سکون حاصل کرے گا۔

فصل سوم

کفارہ کے معاشی و معاشرتی اثرات

کفارہ کے معاشی اثرات

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عزم و ہمت کی دولت سے مالا مال کیا ہے تاکہ وہ ہر قسم کے مشکل اور ہنگامی حالات کا مقابلہ کر سکے چونکہ یہ نظام قدرت ہے کہ زندگی میں اگر آرام و سکون ہے تو دکھ اور غم بھی موجود ہیں۔ حالات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے کبھی بہار ہے تو کبھی خزاں، کہیں تاریکی و ظلمت ہے تو کہیں روشنی، کہیں راحت و سکون ہے تو کہیں آفات و بلیلات کی وجہ سے پیش آنے والے ہنگامی حالات۔ یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ زندگی کی بنیادی ضروریات میں سے خوراک اور رہائش و سکونت کو اولیت حاصل ہے۔ زندگی کے تحفظ و بقاء کے لئے عام حالات میں ان بنیادی ضروریات کا حصول اتنا مشکل نہیں ہوتا مگر آفات سماویہ، مصائب و آلام اور ہنگامی حالات میں ان بنیادی، معاشی ضروریات کا حصول مشکل بلکہ بعض اوقات ناممکن ہو جاتا ہے۔ عمومی حالات کے ساتھ ساتھ آفت و مصیبت کے موقع پر بالخصوص متاثرین کی معیشت کو سہارا دینا لازمی امر ہوتا ہے وگرنہ وہ زندگی سے محروم ہو سکتے ہیں۔ ایک انسانی جان کی قدر و قیمت کیا ہے اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

(وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَآ أَحيا النَّاس جَمِيْعًا)

''اور جس نے اسے (ناحق مرنے سے بچا کر) زندہ رکھا تو گویا اس نے (معاشرے کے) تمام لوگوں کو زندہ رکھا (یعنی اس نے حیات انسانی کا اجتماعی نظام بچا لیا)''[1]

اسلام نے جب دیگر حوالوں سے انسانی جان کے تحفظ کا اہتمام کیا ہے وہاں کفارہ کے ذریعے ایک ایسا معاشی نظام دیا ہے کہ جس میں ایک مجبور و معذور اور آفت زدہ طبقے کو محرومی کا احساس نہیں رہتا۔ اسلامی ریاست کے پاس تنگدستوں کی بحالی کے لیے ایک بہت بڑا مستقل ذریعہ صدقات واجبہ (کفارہ) اور صدقات نافلہ (انفاق فی سبیل اللہ) کی صورت میں موجود ہے۔ گویا اسلام کا معاشی نظام ایک قابل عمل انشورنس سسٹم فراہم کرتا ہے۔ جملہ معاشی مسائل کے حل کے لئے اس کو فعال بنالینا کافی ہے۔ یعنی نظام کفارہ اور نظام صدقات و زکوۃ میں بھی اتنی صلاحیت رکھی گئی ہے کہ مشکل حالات میں رمق حیات کا تحفظ کیا جا سکے۔ کفارہ مالی امور کے متعلق قرآنی ہدایات ہیں جو کہ بشریت کے لئے کامل نمونہ عمل ہیں۔ یوں از نگاہ قرآنی باایمان لوگوں کے تمام امور فقط پروردگار عالم کی خوشنودی کی خاطر انجام پاتے ہیں اور اپنے اجر کی توقع بھی عامل و فاعل اللہ ہی سے رکھتا ہے۔ اس قرآنی قاعدہ پر عمل کیا جائے تو ایک طرف تو انفاق کے ذریعے انسان کے دل میں فقط مال کی محبت پیوست نہیں ہو گی بلکہ

---

[1] ۔ المائدہ:32

اس کے ساتھ ساتھ اپنی خلقت کے اصلی ہدف کی طرف بھی بھرپور توجہ کرے گا۔ دوسری جانب معاشرہ کا نادار طبقہ جو کسی بھی وجہ سے مالی استحکام حاصل نہیں کرسکا اس کی بھی مالی معاونت ہوتی رہے گی۔ یوں معاشی زندگی میں ایک توازن برقرار رہے گا۔ قرآن کے ان اصولوں کے برعکس دیگر نظاموں میں مثلاً کیپٹلزم اس کے بالکل برعکس ہے جس میں نہ صرف انفاق یا ناداروں پر خرچ کرنے کا تصور نہیں بلکہ کمزور طبقے کے حقوق کی مکمل پائمالی ہے بالفاظ دیگر کمزوروں کے حقوق کی پامالی میں ہی سرمایہ دارانہ نظام کا استحکام ہے۔ اسلام چونکہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہے اس لئے اس کے آفاقی اصول ابدی ہیں جس طرح صدر اسلام کے دور میں لوگ فقط مال و دولت کی جمع آوری کو اپنا خاصہ سمجھتے تھے۔ عصر حاضر میں بھی ایسے رویے کثرت سے موجود ہیں۔

تمام انسانوں کے لئے کفارہ رہنما اصول ہے جس کی آگاہی سے جہالت ختم کی جاسکتی ہے اور اسلامی اصولوں کے مطابق اپنے گناہوں پر شرمندگی اور کفارہ کی صورت انفاق در راہ الٰہی ابدی سعادت مندی کا باعث ہوسکتا ہے۔ اور ان قرآنی اصولوں کے مطابق عمل کرکے غربت کا خاتمہ یا معاشرے سے اسے کم کیا جاسکتا ہے۔ یوں اسلام نہ فقط مادیت بلکہ روحانیت کو بھی پروان چڑھاتا ہے۔ اسلام معاشی ناہمواری کو ختم کرکے ایک ایسا منصفانہ و عادلانہ معاشی نظام چاہتا ہے جہاں کرامت نفس انسانی محفوظ ہو۔ کفارہ کا اصل مقصد گناہوں پر شرمندگی کے ساتھ ساتھ معاشی ارتقاء بھی ہے۔ کفارہ ایک انقلابی معاشی تصور ہے۔ اور یہ حقیقت بڑی افسوس ناک ہے کہ خود مسلمانوں نے ابھی تک اس کے ہمہ جہتی معاشی پہلوؤں کا مطالعہ نہیں کیا ہے۔

اگر اس کے معاشی فوائد پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کفارہ پورے نظام معاشی کی قلب ماہیت کر دیتا ہے۔ اسے صحت مند انسانی بنیادوں پر قائم کرتا ہے اس کے ساتھ ساتھ کفارہ اسلام کے اجتماعی نظام کفالت کا ایک اہم حصہ ہے۔ اسلام کے ابتدائی ادوار میں عرب عاجز اور تنگ دست افراد کی مدد کیا کرتے تھے۔ تاہم اسلام کی اجتماعی کفالت کا تصور اس سے کہیں زیادہ وسیع اور ہمہ گیر ہے اور زندگی کے جملہ مادی اور معنوی پہلوؤں کو محیط ہے کہ اس اجتماعی کفالت میں عملی کفالت، دفاعی کفالت، اقتصادی اور معاشی کفالت۔ تہذیبی کفالت کے تمام پہلو اسلام کے اس مثالی نظام معیشت و کفالت عامہ کفارہ میں داخل ہیں۔ المختصر معاشرے میں معاشی اصلاح کے لیے انفاق کا ایک طریقہ " کفارات ہیں۔ اسلام نے معاشرے کے کمزور افراد تک دولت کی رسائی کا یہ ایک مستقل ذریعہ مقرر کیا ہے۔ کوئی شخص بلا عذر رمضان کا روزہ توڑ دے، کسی مسلمان کو بغیر قصد کے قتل کر دے، اپنی بیوی سے ظہار یا ایلاء کرلے، قسم کھا کر اسے توڑ دے، حاجی ممنوعات احرام کا ارتکاب کرلے تو بعض صورتوں میں لازمی اور بعض صورتوں میں اختیاری طور پر اسے حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے مال کا مخصوص حصہ ناداروں پر خرچ کرے۔ کفارات کے نظام سے غرباء کو معاشی سہارے کا ایک مضبوط اور ذریعہ بہم پہنچایا گیا ہے جن سے مالی ضروریات کی تکمیل میں بھرپور مدد ملتی ہے۔ یہ مسلمانوں کی کواپریٹو سوسائٹی ہے اور کفارہ ان کی انشورنس کمپنی ہے۔ اور ان کا پراویڈنٹ فنڈ ہے۔

یہ ان کے بے کاروں کا سرمایہ اعانت ہے۔ یہ ان کے معذوروں، اپاہجوں، بیماروں، یتیموں، بیواؤں اور بے روز گاروں کا ذریعہ پرورش ہے۔ یہ اسلامی معاشی نظام کفارہ ہے۔

گردش دولت اور کفارہ

اسلام گردش دولت کا خواہاں ہے۔ اسلام میں گردش دولت کا رک جانا ایک بہت بڑی معاشی خرابی کا باعث ہے۔ وہ خرابی معاش کا ختم ہو جانا ہے۔ جب دولت چند ہاتھوں میں سمٹ جاتی ہے تو معاشی تنگی بڑھ جاتی ہے اور لوگ غلط کاموں کی طرف چل پڑتے ہیں۔ اس طرح مال میں سائل و محروم کا حق بھی باقی نہیں بچتا حالانکہ مال میں سائل اور محروم کا حق رکھا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَفِي أَمْوالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ﴾[1]

اور ان کے اموال میں سائل اور محروم کا حق ہے۔

کفارہ کے سبب دولت کی گردش ایسے ہوتی ہے کہ لوگ ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ اسی محتاجی کے باعث لوگ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون پر مجبور ہوتے ہیں۔ چونکہ مختلف لوگ مختلف شعبوں سے وابستہ ہیں اس بنا پر کفارہ اور گردش دولت کا گہرا تعلق ہے۔ کفارہ کی ادائیگی کے لوازمات کو پورا کرنے کے لیے دیگر شعبوں کے لوگوں کا تعاون درکار ہوتا ہے۔ یہی معاشی تعاون گردش دولت کا سبب بنتا ہے۔

کفارہ کا معاشی اثر یہ ہوتا ہے کہ دولت گردش میں رہتی ہے اور دولت کے گردش میں رہنے کی وجہ سے معاشی بدحالی کے شکار لوگوں کی مدد بھی ہو جاتی ہے۔ محتاجوں کو اپنی ضرورت پورا کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔

معاشی تعاون اور کفارہ

معاشی تعاون سے مراد ایک دوسرے کی مدد کرنا ہے۔ انسان کا لفظ "انس" سے ماخوذ ہے، گویا انسان کی فطرت میں دوسرے انسان کے ساتھ انسیت و محبت گویا اس نام میں ہی شامل ہے۔ مشکل اوقات میں ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرنا انسانی جذبات کا خاصہ ہے۔ تعاون کی پشت پر باہمی پیار و محبت اور انسان کے ساتھ انسان کے بین الانسانی تعلق کارفرما ہوتا ہے۔ تعاون نہ ہو تو انسانی نسل کی بقا ممکن نہیں ہے، ماں باپ باہمی تعاون سے ہی ایک نسل اور خاندان کی پرورش کرتے ہیں۔ دنیا بھر کے سارے کاروبار اور دھندے تعاون کے بل بوتے پر ہی قائم ہیں۔ انسان سے ماوراء ہو کر اس کائنات کے نظام کا بھی مطالعہ کیا جائے تو بغیر تعاون کے کارخانہ قدرت کا چلنا محال ہے، مثلاً اگر سورج زمین سے تعاون نہ کرے تو فصلیں نہیں پک سکتیں، اگر

---

[1]۔ الذاریات: 19

ہوائیں بادلوں کے ساتھ تعاون سے انکار کر دیں زمین پر قحط کا سماں ہو جائے اور اگر آگ لوہے سے تعاون نہ کرے اور لوہا لکڑی سے تعاون نہ کرے تو سارے کارخانے جام ہو جائیں وغیرہ۔ پس تعاون صرف انسانی زندگی ہی نہیں پورے کارخانہ قدرت کے چلنے کا باعث ہے اور خود انسانی زندگی میں بھی بگاڑ اس وقت آتا ہے جب انسانوں کا باہمی تعاون ماند پڑ جاتا ہے یا ناپید ہو جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے

(وَتَعاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ)

”نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور بدی اور ظلم کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون نہ کرو[1]“

کفارات کی ادائیگی جہاں معاشی تعاون کی ایک صورت ہے وہاں مفلوک الحال محتاج لوگوں کی مدد بھی ہے۔اس طرح کفارہ معاشی تعاون میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

کفارہ کے معاشرتی اثرات

لفظ معاشرہ کی تحقیق: معاشرہ عربی میں مصدر ہے۔ اس کے معنیٰ مل جل کر زندگی گزارنا ہے علمائے معاشرت کے نزدیک معاشرہ افراد کا وہ گروہ ہے جو کسی خاص مقصد کے لئے منظم ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ افراد کا ایسا مجموعہ ہے جو خاص نظریات، تہذیب و تمدن اور مخصوص مقاصد کے لیے ہوتا ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ افراد کا وہ گروہ ہر گز معاشرہ نہیں کہلاتا جو کسی خاصمقصد کے لیے جمع یا منظم نہ ہوا ہو۔

اسلامی معاشرہ سے مراد افراد کا وہ گروہ یا اجتماع ہے جو اسلام کے مخصوص نظریات اور تہذیب و تمدن کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہو۔ مسلمانوں کا معاشرہ عقائد اسلام، ارکان اسلام، اسلامی اخلاقیات اور تہذیب و تمدن پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ ان کی زندگی سے اسلامی نظریات اور عملی زندگی کی جھلک نظر آتی ہے۔ وہ آمنو و عملو الصلحت کی عملی تصویر ہوتا ہے۔ یہ اپنے قول و فعل سے اللہ کے بندے نظر آتے ہیں۔

ہمدردی و تعاون

کفارہ کا معاشرے پر یہ اثر ہوتا ہے کہ معاشرے میں ہمدردی اور تعاون بڑھتا ہے۔ کفارات پر عمل پیرا معاشرہ ہمدردی اور تعاون کے اصول پر کار فرما ہوتا ہے۔ ہمدردی اور تعاون پر قائم معاشرے میں کبائر، بدگمانی، تجسس، حسد و بغض ناجائز حمایت،

---

[1] ۔المائدہ:2

غیبت اور جھوٹی گواہی جیسے گناہوں سے دور رہا جاتا ہے۔ایک دوسرے کی مدد کی جاتی ہے۔کسی بھی مشکل میں لوگ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔ خیر خواہی اور خیر سگالی کا جذبہ ہر فرد کی طبیعت کا لازمی حصہ ہوتا ہے۔

جذبہ ایثار

جذبہ ایثار و قربانی، ہمدردی و خیر خواہی اسلامی معاشرے کا ایک امتیازی وصف ہے۔اس طرح اسلامی معاشرے میں محبت و شفقت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔کیونکہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے۔نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس سے کنارہ کرتا ہے۔اور جو آدمی اپنے بھائی کی حاجت روائی میں رہے اللہ اس کی حاجت روائی میں رہتا ہے۔اور جس نے کسی مسلمان سے ایک دکھ ہٹایا اللہ تعالٰی اس سے روز قیامت کے دکھوں میں سے ایکدکھ دور کر دیتے ہیں۔کفارہ کے سبب جذبہ ایثار پروان چڑھتا ہے۔لوگ ایک دوسرے کے لیے قربانی دینے کو اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

احساس ذمہ داری

اجتماعی شعور پیدا کرنے، اسے بیدار رکھنے کے لئے اسلام نے جو اقدامات کئے ہیں ان میں سب سے اہم فرد کو اپنا ذمہ دار بنانا ہے۔انسان اپنے گناہوں کا خود ذمہ دار ہے۔

قرآن حکیم میں آیا ہے(وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰی)

"اور جو کوئی (برا) فعل کرتا ہے تو اس کا نقصان اسی کو ہوتا ہے اور کوئی شخص کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔[1]

کفارات کی ادائیگی سے انسان میں احساس ذمہ داری پیدا ہوتا ہے۔وہ اچھے کام کو اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے۔اپنے کام کو اللہ کی رضا کے مطابق سرانجام دیتا ہے۔

عالمگیر معاشرہ

کفارہ پر عمل کرتے ہوئے ایک عالمگیر معاشرے کی تشکیل کی جاسکتی ہے۔کفارہ کے سب اخوت و رواداری کو فروغ ملتا ہے۔عالمگیر معاشرہ گھر سے شروع ہوتا ہے اور عالمگیر سطح تک چلا جاتا ہے۔ہر کلمہ گو فرد اس کا رکن ہوتا ہے۔یہاں مشرق و مغرب، کالے گورے کی تمیز نہیں ہوتی۔سب کو انما المؤمنون اخوۃ کی لڑی میں پرو دیا جاتا ہے حجۃ الوداعکے موقع پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا

ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔سب اہل اسلام ایک برادری ہیں۔

---

[1]۔الانعام:164

اخوت و مساوات

اخوت و مساوات ایک اسلامی معاشرے کی نمایاں خصوصیت ہے۔ اگر کسی معاشرہ میں اخوت و مساوات کے جذبات پیدا ہو جائیں تو ایسا معاشرہ جنت کا گھوارہ بن جاتا ہے۔ جب ایک معاشرہ احکام الہی کا فرمانبر دار اور اسوہ حسنہ کا پیروکار ہوتا ہے تو بہترین معاشرہ بن جاتا ہے۔ یہ خوبیاں معاشرے کی جان ہیں۔ کفارات ان خوبیوں میں مزید جان پیدا کرتے ہیں کہ برائی کو ختم کرنے میں آسانی ہو۔

باہمی تعلقات اور کفارہ

اسلام ایک اجتماعیت پسند دین ہے اور اہل ایمان کے اتحاد و اتفاق کو مطلوب قرار دیتا ہے۔ محض خارجی اتحاد کی نہیں، حقیقی اتحاد کی بنا انسانی قلوب میں رکھتا ہے ان کو ایک اخوت اور برادری میں جوڑ دیتا ہے۔ اسلام نے اجتماعیت کی بنیاد ایمان، اور ایثار پر رکھی ہے۔ اسلام ان بنیادوں پر معاشرہ استوار کرتا ہے۔ معاشرہ میں باہمی تعلقات کی خوشگواری کے لئے کفارات کی تعلیم بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ کفارات کی ادائیگی کے ذریعے باہمی تعلقات کو استوار کرنا اور ایک دوسرے کی مدد کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اور اس سے معاشرے میں مثبت تبدیلی آتی ہے۔

معاشرتی تعاون اور کفارہ

معاشرت کے معنٰی "رہن سہن "ہیں اور طرز معاشرت کا مطلب ہے معاشرے میں رہنے سہنے کے طور طریقے، معاشرے کے دیگر افراد کے ساتھ رابطے کے طریقے اور شب و روز کے مسائل حل کرنے کے اصول و ضوابط۔ معاشرت انسان کی اہم ضرورت ہے کیونکہ انسان ایک معاشرتی وجود ہے، وہ پیدائش سے لے کر موت تک اپنے معاشرے سے جڑا ہوا ہوتا ہے۔ اپنی تمام تر ضروریات زندگی کے لئے جن میں خوراک، لباس، مکان، پڑھائی، نوکری، کاروبار اور زندگی کی دیگر ضروریات شامل ہیں وہ معاشرے کا سہارا لیتا ہے۔ لہذا معاشرے میں رہنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان تمام اصول وضوابط اور احکام کی پیروی کرے جو اسلام نے اسے دیے ہیں کیونکہ اسلام کے بتائے ہوئے احکام ہی سے وہ معاشرے میں امن و سکون سے زندگی گزار سکتا ہے۔ کفارہ کے زریعے معاشرتی تعاون میں اضافہ ہوتا ہے۔ خوراک اور دیگر ضروریات کی فراہمی معاشرتی تعاون کی مثالیں ہیں۔ کفارہ کا حکم ہمارے طرز معاشرت میں معاشرتی تعاون کا باعث ہے۔

انفرادی تربیت اور کفارہ

کفارہ انفرادی تربیت میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ کفارات کے ذریعے معاشرتی تعلقات سے سماج کے زندہ عناصر تشکیل پاتے ہیں۔ اسی لئے اسلام ہر فرد کی جداگانہ شخصیت کا قائل ہے۔ وہ انسان کو محض نظام اجتماعی کا ایک بے جان اور معطل پرزہ نہیں سمجھتا۔ ہر فرد کے اندر اسلام یہ احساس بیدار کرتا ہے کہ خدا کے سامنے وہ خود اپنے اعمال کا جواب دہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

(ورِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّأَبْقٰى[1])

تیرے رب کا دیا ہوا رزق حلال ہی بہتر اور پائندہ تر ہے۔ اسلام کی نظر میں فرد اپنی ذاتی زندگی کی اصلاح کا ذمہ دار ہے۔ وہ اس بات کا مکلف ہے کہ وہ اپنے نفس کو شہوات سے روکے، اس کا تزکیہ کرے، اسے خیر وصلاح اور نجات کے راستے پر چلائے اور اسے ہلاکت میں نہ ڈالے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

(فامَّا من طَغٰى واٰثَر الْحياةَ الدُّنْيا فَاِنَّ الْجَحِيْم هى الْمَاْوٰى وامَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّه ونَهَى النَّفْس عَنِ الْهوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هى الْمَاْوٰى[2])

تو جس نے سرکشی کی تھی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تھی دوزخ ہی اس کا ٹھکانہ ہوگی۔ اور جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا تھا اور نفس کو بری خواہشات سے باز رکھا جنت اس کا ٹھکانہ ہوگی۔

اجتماعی تربیت

تعمیر معاشرہ کی پہلی بنیاد فرد کی تربیت ہے۔ اس کی حیثیت معاشرے میں ایک اچھی اینٹ کی ہے۔ دوسری بنیاد فرد اور جماعت کے مابین باہم الفت ومحبت، تعلق ہے تاکہ دونوں پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوں اور کچھ اس نسبت سے حقوق ملیں۔ ہر فرد اس بات کا مکلف ہے کہ اپنا مخصوص عمل اچھی طرح انجام دے۔ وہ جماعت کے مفادات کا اس طرح خیال رکھے گویا وہ اس کا نگران ہے۔ کوئی بھی شخص مفادات عامہ کی رعایت سے آزاد نہیں ہے۔ اس طرح ہر فرد ماحول ومعاشرے میں ہونے والے ہر منکر کے سلسلے میں ذمہ دار قرار پاتا ہے خواہ وہ ذاتی طور پر اس میں شریک نہ ہو۔ اخلاقیات اور کردار کا اجتماعی ضابطہ پوری جماعت کی ذمہ داری ہے۔ جو لوگ علی الاعلان گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں ان کو عبرتناک سزا ملنی چاہیے جس کے لئے اسلام میں سزا دینے کا قانون موجود ہے۔ لیکن سزا سے پہلے اسلام اخلاقی تربیت کرتا ہے اور صالح معاشرت کو پروان چڑھاتا ہے۔

---

[1] ۔طہٰ:131

[2] ۔النازعات:37تا40

جہاں ایسے گناہوں کے پنپنے کے لئے ماحول ہی نہ مل سکے۔ اور اگر کوئی غلطی ہو گئی ہے تو اسلام اس کے مٹانے اور ختم کرنے کے لیے کفارات کی ادائیگی کا حکم دیتا ہے۔ اس طرح معاشرے میں اجتماعی تربیت بڑھتی ہے۔

اسلام کی نظر میں قانون سے بالا تر کوئی نہیں ہوتا۔ امیر و غریب، خاص و عام کے درمیان نفاذ قانون میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔ کفارات کے احکامات امیر و غریب سب کے لیے ہیں۔ یہ اجتماعی معاشرے کی ایک مختصر سی جھلک ہے جو کہ قرآن و سنت سے ثابت ہے اور جس کی بنیاد پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معاشرے کی تشکیل کی تھی جو ایک بہترین معاشرہ تھا۔[1]

کفارات اور ہمارے طرز معاشرت میں تعلق

ہدایات ربانی کا سلسلہ الہامی کتب وصحائف کی شکل میں حضرت آدم سے جاری ہوا اور اس کی تکمیل آخری آسمانی کتاب قرآن مجید کی صورت ہوئی جو دین اسلام کی بنیاد ہے۔ اسلام کی مکمل اتباع اور پیروی کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک خاص مقصد حیات (عبادت ورضائے الٰہی) کے ساتھ دنیا میں مبعوث فرمایا۔ اس لیے انسان ہر حال میں شریعت کے تمام احکام کا مکلف ہے۔ تاہم بتقاضائے بشریت خطاء اور انسان انسانی فطرت کا حصہ ہے۔ بعض اوقات انسان دنیا کی ظاہری رنگینیوں میں کھو کر خالق ومالک کی رضا کے خلاف کسی خطاء یا گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔ خطاء بھی دو قسم کی ہوتی ہے، ایک وہ غلطی جو بغیر ارادہ کے انسان سے سہوا سرزد ہو جاتی ہے جس کی تلافی توبہ، استغفار اور نیک اعمال کو بجالانے سے ہوتی ہے، دوسری وہ غلطی جو انسان اپنی خواہش کے تابع ہو کر عملاً کر بیٹھتا ہے اور گناہ گار ہو جاتا ہے۔ غلطیوں اور گناہوں کے ارتکاب سے اس پر مایوسی کے بادل چھا جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں اللہ رب العزت نے سہولت کے طور پر انسان کو وہ عمل عطاء کیا جس کی ادائیگی سے گناہوں پر پردہ آجاتا ہے۔ اس عمل کو قرآن مجید میں کفارہ کا نام دیا گیا ہے۔ کفارہ کے ذریعے انسان گناہوں سے تائب ہو کر اپنی اصلاح کرتا ہے اور عبادت و کار خیر کے ذریعے گناہ کے اثر کو روح پر سے دھو دیتا ہے اور شرمساری وندامت کے ساتھ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے بلکہ آئندہ کے لئے اس کا نفس ایسی غلطیوں کے اعادے سے محفوظ رہتا ہے۔ پس کفارہ انسان کے لیے اللہ کی رحمت کے حصول کا ذریعہ اور گناہوں کی تلافی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

(لَأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ)

"میں تم سے تمہارے گناہ دور کر دوں گا"[1]

---

[1]۔ صاحبزادہ، ساجد الرحمان، اسلامی معاشرہ کی تاسیس و تشکیل (اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، 1997)

اور خدا اپنے بندے سے چاہتا بھی یہی ہے کہ اس کا ہر بندہ صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے پاک ہو کر اس کی طرف لوٹے۔ گناہوں سے چھٹکارا اللہ کی رحمت اور اس کے بنائے ہوئے طریقے پر عمل کر کے ہی ممکن ہے۔ کفارہ بھی اسی کا بتایا ہوا طریقہ ہے جس کے ذریعے برائیاں دور کر دی جاتی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

"تا کہ خدا ان سے برائیاں دور کر دیں جو انہوں نے کیں"۔ یعنی انسان کفارہ کی ادائیگی سے دوبارہ اللہ کا قرب حاصل کر لیتا ہے اور اس ذوق و شوق سے نیک اعمال بجالاتا ہے کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ کفارہ گناہ کو زائل کر دیتا ہے اور مٹا دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

(إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ [2])

"کچھ شک نہیں کہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں"۔

چونکہ کفارہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم کی خلاف ورزی پر عائد کیا ہے۔ اس لیے کفارہ (دینی و مالی سزا) کو عبادت کا درجہ بھی حاصل ہے۔ جب کفارہ کسی ایسے کام پر مقرر کیا جائے جو گناہ نہ ہو تو یہ خالص عبادت ہے اور اگر یہ کسی گناہ والے کام پر عائد ہو جائے تو یہ مالی سزا ہے۔ اور ان سزاؤں (کفارات) کے کچھ معاشرتی اثرات مرتب ہوتے ہیں جس کے سبب انسان اپنے جیسے دوسرے انسانوں کی خاطر ایثار و قربانی اور خدا کاری جیسے جذبات رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس تصور کے تحت انسان یعنی مومن اور متقی مال و دولت کو ہدف زیست قرار نہیں دیتا بلکہ خدا تک پہنچنے کا ایک وسیلہ قرار دیتا ہے۔ الغرض اسلام معاشی ناہمواری کو ختم کر کے ایک ایسا منصفانہ و عادلانہ معاشی نظام چاہتا ہے جہاں کرامت نفس انسانی محفوظ ہو۔ جس میں غربت کے سبب کسی انسان کی آبروریزی نہ ہو بلکہ ہر انسان عزت کی زندگی بسر کرے اور تمام انسانوں کو ترقی و مالی استحکام کے مواقع میسر ہوں یہی قرآن کا مطلوب معاشرہ ہے۔ متعدد قرآنی آیات میں انفاق، صدقات اور کفارات کی طرف رہنمائی و رغبت ہے۔ یہ معاشرے میں کمزور، نادار اور غریبوں کی مالی معاونت کی خاطر ہیں۔ کفارات کی ترغیب و تشویق کے ذریعے ایک معتدل و غربت سے پاک معاشرہ وجود میں لانا اور معاشرے سے اقتصادی ناہمواری کا خاتمہ اسلام کا مقصود ہے۔ کیونکہ دنیا کے تمام ادیان و مذاہب میں اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو خیر و صلاح کا داعی، کفارات کے تصور کے تحت انسانی فلاح و بہود کا ضامن ہے۔ اس مقدس مذہب کی تمام تر تعلیمات، احکامات و ہدایات کا ماخذ قرآن اور احادیث نبوی ہیں۔ یہی وہ مہذب مذہب ہے جو ہر فرد کی جملہ ضروریات و حاجات کا کفیل اور ان کے شب و روز کو اسلامی منشور کے مابین خوشگوار و خوشحال بنانے، نیک سیرت و کردار اور

---

[1] المائدہ: 12

2 هود: 114

عمدہ اخلاق و محاسن کا پیکر جمیل بنانے، سماج و معاشرہ میں لطیف فطرت و خصلت کا عادی کرنے کے لئے کفارہ جیسا بے نظیر اصول و آئین متعارف کرواتا ہے جو سنگِ میل اور در نایاب و کمیاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اسلام نے معاشرہ و سماج کے تعلق سے جو تجاویز و پیغامات بتائے ہیں وہ دنیا کے کسی مذہب میں تلاش بسیار کے بعد بھی نہیں مل سکتے۔ کیونکہ انسان کی ذات و شخصیت پر کفارہ کی جو اثر پذیری ہوتی ہے اور اس کے جو معاشرتی اثرات مرتب ہوتے ہیں وہ ارباب فکر و نظر سے مخفی نہیں۔ کفارہ ہی کے ذریعے انسان صالح و نیک بن جاتا ہے، عمدہ اور صالح فکر کا حامل، اعمال خیر کا خوگر، خیر و شر میں مابہ الامتیاز فرق کرنے والا بنتا ہے کیونکہ کفارہ ایک انسان کو صاحب بصیرت بنا دیتا ہے اور اس کے فکر و شعور کو پاکیزگی اور اس کے نفس و قلب کو تطہیر و پاکی کی نعمت لازوال سے نوازتا ہے جس کی وجہ سے معاشرت پر اچھا اثر پڑتا ہے۔

قرآن حکیم نے شعبہ انسانی کے تعلق سے جو ہدایات اہل اسلام کو دی ہیں وہی ہمارے لیے کلاہ افتخار و سرمایہ آخرت ہیں۔ اور انہی مضبوط و مبین احکامات و فرامین میں کامیابی کا راز مضمر ہے اور قرآن ہی ضابطہ حیات و ضابطہ اخلاق ہے۔ اس کے بغیر حسن معاشرت، عمدہ و پاکیزہ تہذیب و ثقافت کا خیال ہی باطل ہے۔ آج آپ دیار اغیار کی معاشرتی حیثیت کا سرسری جائزہ لیجئے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ وہاں احترام انسانیت اور حقوق انسانی کی کس انداز میں تضحیک کی جارہی ہے۔ یہ تو اسلام کی رحمت ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کو احترام و تکریم انسانیت کے اسباق کی جابجا تعلیم دیتا ہے۔ کیونکہ تاریخ عالم میں آپ کسی بھی قوم پر نظر ڈالیے آپ کو دو طبقے نظر آئیں گے۔ ایک خوش حال (مال دار) طبقہ اور دوسرا غریب و بدحال طبقہ اور اس کے ساتھ ہی قابل توجہ یہ بات نظر آتی ہے کہ مال دار، خوش حال طبقہ بڑھتا اور پھلتا پھولتا چلا جاتا ہے اور اس کے برعکس غریب طبقہ غریب سے غریب تر اور بدحال ہوتا جاتا ہے جس سے معاشرے کی بنیادیں ہل جاتی ہیں اور سماج ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور خلفائے راشدین کے طرز عمل سے یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ معاشرے کے کمزور طبقات وافراد کے حقوق کی پاسبانی کی جائے اور طاقتور طبقات کو اس امر کی اجازت نہ دی جائے کہ وہ ان کے حقوق تلف کریں۔ علم بردار عدل و انصاف سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جن کا عہد خلافت پوری اسلامی اور انسانی تاریخ میں مثالی حیثیت کا حامل ہے۔ آپ نے زکوٰۃ و صدقات و کفارات اور دیگر محاصل کو نظم معیشت و کفالتِ عامہ و حسن معاشرت میں امیر المؤمنین کی حیثیت سے کس طرح استعمال فرمایا اور آپ کو معاشرے کی کفالت عامہ کا کس درجے احساس تھا۔ آپ کے اس فرمان سے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے "میری یہ خواہش رہتی ہے کہ کسی کی کوئی حاجت دیکھوں تو اسے فوراً پورا کر دوں جہاں تک ہو سکے ہم ایک دوسرے کی ضروریات کی کفالت کریں اور جب ہم تنہا ایسا کرنے سے عاجز آجائیں تو پھر مل کر کریں۔ یہاں تک کہ ہم سب کا معیار زندگی برابر ہو جائے کاش کہ تمہیں پتہ چل جائے کہ تمہارے بارے میں میرے دل میں کیا جذبات ہیں۔ لیکن میں تو انہیں عمل کے ذریعے تمہیں بتانا چاہتا ہوں"۔

الغرض دین اسلام نے ہمیں جو نظام حیات دیا ہے وہ ہماری فطرت کے عین مطابق ہے۔ اگر تم چاہو کہ اس نظام فطرت کو چھوڑ کر کوئی دوسرا نظام حیات تجویز کر لو جو اسلام کی طرح تمہاری فطرت کے عین مطابق ہو تو ایسا ہر گز نہیں ہو سکتا۔ کہ اسلام نے ہمیں کفارہ جیسا بیش قیمت تصور دیا ہے جس کا مقصد احساس بیدار کرنا، ضمیر کو زندہ کرنا، ندامت پیدا کر کے نفس کو توبہ پر آمادہ کرنا اور ظلم کا خاتمہ ہے تا کہ معاشرہ گناہ سے پاک ہو سکے۔

اسلام نے فتنہ و فساد کے جتنے بھی وسائل و ذرائع تھے اور قوم و معاشرے میں جن جن افعال شنیعہ و اعمال قبیحہ سے انتشار و افتراق و قوع پذیر ہو سکتا تھا۔ اور جن برائیوں و بد اعمالیوں کا دروازہ کھل سکتا تھا۔ ان کے خلاف سخت احکام جاری فرمائے تا کہ معاشرہ گناہوں کی آمیزش سے پاک و منزہ رہے اور مسلم معاشرے کے تمام افراد و اشخاص صالح فکر کے حامل ہو جائیں اور اپنی انسانی ضروریات کو اسلام کے آئین و دستور العمل کے درمیان رہ کر پوری کریں۔

خلاصہ بحث

کفارہ کے کئی فوائد و اثرات ہیں۔ کفارہ کا بنیادی فائدہ تو یہ ہے کہ بندہ گناہوں اور لغزشوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ کفارہ کا معیشت پر بھی اثر پڑتا ہے۔ جس سے غریبوں اور مسکینوں کی مدد ہوتی ہے۔ جس سے ان کی معاشی زندگی میں کچھ بہتری آتی ہے۔ کفارہ سے معاشرے میں محبت اور شفقت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ امن و امان کو فروغ ملتا ہے۔ بندہ گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی روحانی اور اخلاقی اصلاح ہوتی ہے۔ ایک فرد کی اصلاح در اصل پورے معاشرے کی اصلاح ہوتی ہے۔ جس سے ایک پر امن معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔

باب سوم

سماجی تغیرات میں کفارہ کی ادائیگی کی صورتیں اور عصری معنویت

فصل اول سماجی تغیرات اور کفارات

فصل دوم کفارہ کی ادائیگی کی صورتیں

فصل سوم کفارہ کی عصری معنویت

فصل اول

سماجی تغیرات اور کفارات

لفظ سماج کی لغوی تحقیق

سماج لفظ سنسکرت زبان کے دو لفظوں سے مل کر بنا ہے "سم اور آج "سم کے معنی ہیں اکٹھا یا ایک ساتھ اور آج کے معنی ہیں رہنا۔ یعنی سماج کے لغوی معنی ہیں ایک ساتھ رہنا۔ اس خیال سے جہاں افراد ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں وہیں سماج بن جاتا ہے۔

لفظ "تغیر کے معانی:"

تغیر (tagayyur) اصل عربی، جمع، تغیرات ہے۔ تغیر کے اردو معانی تبدیلی، بدلنا، ایک حالت سے دوسری حالت میں جانا ، تبدیلی حالت، انقلاب، صورت بگڑ جانا، فتور، ابتری، متغیر، موقوف، برخاست، معزول۔[1]

English meaning of tagayyur. Alteration,change, mutation,difference, diversity, discrepancy.

ماہرین سماجیات کے نزدیک سماج کی تعریف

ماہرین سماجیات نے اپنے اپنے انداز میں سماج کی یوں تعریف کی ہے۔

گارج سمیل (GEORGE SIMMELL) نے کہا ہے۔ " سماج ان لوگوں کا گروہ ہے جو آپس میں باطنی طور پر ایک دوسرے سے وابستہ ہوں[2] "

میری چائلڈ نے سماج کی تعریف یوں کی ہے کہ "سماج انسان کا ایسا گروہ ہے جو اپنے بہت سے ضروری مقاصد جن میں لازمی طور سے خود کی حفاظت، پیٹ پالنا اور لباس کی فراہمی ہے اور ان سب چیزوں کو پورا کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔"[3]

---

[1]۔ دہلوی، سید احمد، فرہنگ آصفیہ (پاکستان، الفیصل، 1902)

[2]۔ ڈار، شاہد حسین، اسلام اور کلچر (ریسرچ اسکالر سینٹرل یونیورسٹی سری نگر کشمیر 11 جنوری 2020)

[3]۔ حیدر، ذوالقرنین، سماجی تبدیلی اور اسلامی فکر، ص: ۱۲۴

(GINSBERGMORRIS) کہتے ہیں کہ سماج انسان کا وہ گروہ ہے جو کچھ تعلقات یا رشتوں کو اخلاق کے طریقوں کے ذریعے یکجا کرتا ہے جو انہیں ان لوگوں سے الگ رکھتا ہے جو ان رشتوں سے وابستہ نہیں ہوئے اور اخلاقی طور پر ان سے الگ ہوتے ہیں۔

(IMACLVER) کے خیال میں سماج سماجی رشتوں کا ایک جال ہے۔

سماج افراد کا ایسا گروہ ہے جس میں افراد کچھ روایتوں اور اصولوں سے بندھے ہوئے ہیں۔ سماج افراد کا مجموعہ ہے جب کبھی سماج کا خیال ہمارے ذہن میں آتا ہے تو افراد اور ان کی بہتری کا خیال بھی ابھرتا ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ فرد کی حالت بدتر ہو اور سماج بہتر ہو۔ سماج کو بہتر بنانے کی جدوجہد فرد کی آزاد نشوونما اور ترقی کے لئے ہوتی ہے۔ اس میں یہ بات مضمر ہے کہ فرد کی آزادی ایک انصاف پرور معاشرے کی تشکیل کے بغیر برقرار نہیں رہ سکتی بلکہ اس کا وجود ہی نامکمل ہے۔ سماج ہمیشہ بدلتا رہتا ہے اور وقت کے تقاضوں کے تحت تغیر پذیر ہوتا ہے۔

سماجی تغیر اور کفارات کا کردار

ہر معاشرے میں کچھ رائے، نظریات اور اقدار ہوتے ہیں جو اس معاشرے کے انفرادی اور اجتماعی فکر، مزاج، رویوں اور نفسیات کی توجیہ کرتے ہیں۔ جس سے اس معاشرے کے کام معاملات ایک مخصوص ڈگر پر چلتے ہیں۔ جب ان بنیادی نظریات اور اقدار میں تغیر واقع ہوتا ہے تو اس معاشرے کے فکر اور مزاج میں بنیادی نوعیت کی تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ اس تغیر کو سماجی تبدیلی کہتے ہیں۔ جیسا کہ کفارات کی ادائیگی کی نئی صورتیں پیدا ہو رہی ہیں اور ان صورتوں میں کفارات میں تغیر واقع ہو رہا ہے اس کو سماجی تغیر کہتے ہے۔ مذکورہ بالا کی کئی مثالیں ہیں

جب سرمایہ داری پھیلنے لگی تو ابتدا میں معاشرتی قدروں اور رویوں میں تبدیلی لائی گئی، جو سرمایہ داری کے عروج کو ممکن بنا سکی۔ قدروں میں تبدیلی یوں آئی کہ کامیابی اور ناکامی کا معیار مادی علامات اور عناصر پر محمول کیا گیا۔ جس سے مادہ پرستانہ ذہنیت پروان چڑھنے لگی، رویوں میں تبدیلی یوں آئی کہ مادہ پرستی لوگوں کو صارفیت کی طرف مائل کرنے لگی۔ اسی طرح تاریخ میں ہر تغیر کا سرا سماجی تبدیلی میں ڈھونڈ کر نکالا جا سکتا ہے۔

ہر چیز کا اپنا عمل (process) ہوتا ہے اور سماجی تبدیلی کا بھی اپنا ایک مخصوص عمل ہے۔ اس عمل کے ذریعہ سے کسی بھی معاشرے کی فکر، مزاج اور نفسیات میں تبدیلی برپا کی جاسکتی ہے۔ دراصل سماجی تحریکات، معاشرے میں اسی نوعیت کی بنیادی تبدیلیاں برپا کرنے کی اجتماعی کوششیں کر رہی ہیں۔

سماجی تبدیلی کی اپنی حرکیات (dynamics) ہوتی ہیں۔ اور وہ ایک مخصوص نہج پر کام کرتی ہیں۔ اس عمل کے ہر ایک حصہ کا دوسرے سے باہم گہرا ربط ہوتا ہے اور وہ اپنی مخصوص ترتیب پر کام کرتے ہیں۔ اس معاملہ میں بے ترتیبی نتائج کو متاثر کرتی ہے۔ چنانچہ ان حرکیات کا ادراک کسی بھی سماجی تحریک کے لیے از حد ضروری ہے اور ان سے بے پرواہی کسی بھی سماجی تحریک کی کامیابی کے امکان کو متاثر کرتی ہے۔[1]

اس سماجی تغیر میں کفارات کا کردار یہ ہے کہ مختلف لوگوں کا کفارات کی حکمت کو سمجھنے کے حوالے سے نظریہ تبدیل ہوا ہے۔ کفارہ کی نئی صورتوں کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے میں آسانی واقع ہوئی ہے۔

سماجی تبدیلی اور اسلامی تصور کفارہ

تبدیلی انسانی زندگی کی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔[2] اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کا تصور کفارہ انسان کے فائدے کے لیے ہے۔ یہ تصور اس انسان کی کامیابی اور ناکامی کا معیار متعین کرتا ہے کہ وہ گناہ کی عادت کو نیکی کی عادت سے بدل لے تو کامیابی اس کا مقدر ہے۔ اور اگر یہی انسان برے کاموں کو اپنی عادت بنالے اور اچھائی سے دور ہو تا جائے تو ناکامی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ تبدیلی انسان کی فطرت میں بھی پنہاں ہے۔ کائنات کے پورے نظام میں بھی موجود ہے اور انسانی سماج کی بھی ایک بدیہیحقیقت ہے۔ انسانی سماج لحہ بہ لحہ تغیر پذیر ہے اور اس میں ہر پیش رفت کو ارتقاء سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ تغیر اور پیش رفت سوسائٹی کے مشاہدات و تجربات کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ اس لئے ہر آنے والے دور کو پہلے سے بہتر قرار دے کر اس کے ساتھ ہم آہنگ ہو جانے کو ضروری سمجھا جاتا ہے اور اسے نظر انداز کرنے کو قدامت پرستی اور معاشرتی جمود کا عنوان دے دیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے آج کی مروجہ عالمی تہذیبو قوانین کو ''دو انڈر آف ہسٹری'' کے عنوان سے انسانی سماج کی سب سے بہتر صورت اور آئیڈیل تہذیب کے ٹائٹل کے ساتھ پوری نسل انسانی کے لیے ناگزیر تصور کیا جاتا ہے اور دنیا کے تمام مذاہب اور تہذیبوں سے تقاضا کیا جارہا ہے کہ وہ اسے قبول کرلیں اور اس کے ساتھ ایڈجسٹ ہو کر اپنے امتیازات اور الگ تشخصات سے دستبردار ہو جائیں۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات کی روشنی میں سماج کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے ۔ وقتاً فوقتاً مختلف قوموں اور علاقوں کی طرف حضرات انبیاء کرام مبعوث ہوتے رہے اور انہیں جس بھی معاشرہ اور سماج کا سامنا کرنا پڑا وہ اس وقت کا ارتقائی معاشرہ تھا۔ جو سوسائٹی کے باہمی احساسات و جذبات اور مشاہدات و تجربات کا نتیجہ تھا۔ مگر انبیاء کرام نے اسے من و عن قبول کرنے کی بجائے اس کی بہت سی باتوں کی اپنے دور میں اصلاح کی اور ان میں اصلاحات کا

---

[1]۔ سماجی تغیر و تبدل، روزنامہ انصاف، (لاہور، 28 فروری 2018ء)

پروگرام پیش کیا۔ یہ سلسلہ صرف اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان معاملات، عقیدہ وعبادت تک محدود و معین نہیں تھا بلکہ اس میں معاشرتی مسائل اور سماجی امور بھی شامل تھے۔

مثلاً حضرت شعیب علیہ السلام کا قرآن کریم نے تذکرہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ انہوں نے قوم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور قوم کا پیغام دینے کے ساتھ ساتھ اس وقت کے ایک اہم سماجی مسئلہ کی طرف بھی توجہ دلائی کہ تجارت میں بددیانتی، ناپ تول میں کمی اور اشیائے صرف کے معیار میں نقصان سوسائٹی میں فساد کا باعث بنتا ہے۔ اس لیے وہ اس سے باز آجائیں۔

حضرت لوط علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے صرف عقیدہ وعبادت کی بات نہیں کی بلکہ اس وقت کی سب سے بڑی معاشرتی برائی ہم جنس پرستی کی مذمت کی اور فرمایا

﴿إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ﴾[1]

(بے شک تم ناواقف قوم ہو۔)

اسے جاہلیت کی علامت قرار دیتے ہوئے اس کے خاتمہ کو اپنی جدوجہد کے اہداف میں شامل کیا۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ جب اپنے بھائی ہارونؑ کے ساتھ فرعون کے دربار میں دعوت دین کے لیے کھڑے ہوئے تو ان کا پیغام توحید وعبادت کے ساتھ اس دور کے مجموعی سماج کے حوالہ سے بھی تھا۔ جس پر فرعون نے اپنی قوم سے کہا کہ یہ دونوں شخص جادوگر ہیں جو تمہیں تمہارے ملک پر اقتدار سے محروم کرنے اور ﴿وَيَذْهَبَا بِطَرِيقَتِكُمُ الْمُثْلَىٰ﴾[2] تمہاری آئیڈیل تہذیب کو ختم کرنے کے لیے آئے ہیں۔ چنانچہ فرعون اور اس کی قوم نے حضرت موسیٰ کی دعوت کو سیاسی اور سماجی تبدیلی کا عنوان دے کر اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور پھر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا شکار ہوئے۔

یہ تینوں قومیں ان پیغمبروں کی تشریف آوری سے قبل جس مقام پر کھڑی تھیں وہ اس دور کا سماجی ارتقاء تھا۔ جہاں تک وہ اپنے مشاہدات و تجربات اور احساسات و جذبات کے ذریعے پہنچی تھیں اور وہی اس دور کا اینڈ آف ہسٹری تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے اسے مسترد کر دیا اور اس کے خلاف آواز اٹھائی حتیٰ کہ وہ قومیں ان کی بات قبول نہ کرنے کے جرم میں عذاب خداوندی سے دوچار ہو گئیں۔[3] جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو انہیں شرک اور بت پرستی کے ساتھ ساتھ بہت سی سماجی قدروں اور معاشرتی روایات ورواجات کا بھی سامنا تھا۔ چنانچہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تیئیس سالہ جدوجہد میں صرف بت پرستی اور شرک کو ہدف نہیں بنایا بلکہ زنا، شراب، جوا، نسل پرستی، فحاشی، ناچ گانا، لسانی

---

[1] ۔الاعراف:138

[2] ۔طہٰ:63

[3] ۔حیدر، ذوالقرنین، سماجی تبدیلی اور اسلامی فکر (لاہور، رفیق منزل،) 2021ص:123

تفاخر اور دیگر بہت سی سماجی قدریں بھی ان کی جدوجہد کا ہدف تھیں جو ظاہر ہے کہ اس وقت تک کے سماجی ارتقاء اور تہذیبی ترقی کی علامت نہیں تھیں۔ اور اگر آج کی اصطلاح میں بات کی جائے تو اس دور کا اینڈ آف ہسٹری وہی سماج اور سوسائٹی تھی جسے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر آزما محنت کے ساتھ تبدیل کیا۔ جبکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و محنت کا یہ امتیاز بھی تھا۔ تاریخ انسانی کا حصہ ہے کہ آپ نے کسی قوم یا علاقے تک اپنی تگ و دو کو محدود رکھنے کی بجائے پوری نسل انسانی کو دعوت و محنت کی جولان گاہ بنایا۔ جس کے نتیجے میں آپ کی لائی ہوئی سماجی تبدیلیاں صرف ایک صدی میں دنیا کے مختلف ممالک بلکہ براعظموں تک پھیل گئیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت سے بیسیوں سماجی قدریں تبدیل ہوئیں حتی کہ بہت سے معاملات میں اللہ تعالی کے آخری رسول نے سماج کے ارتقاء کو مسترد کر کے ماضی کی طرف لوٹا دیا۔ چنانچہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بالخصوص نبی آخرالزمان صلی الہ علیہ وسلم کا اسوہ مبارکہ یہ ہے کہ انسانی سماج کا ہر ارتقاء قابل قبول نہیں ہے بلکہ جو سماجی ارتقا آسمانی تعلیمات اور خدائی احکام و قوانین سے متصادم ہو اسے مسترد کرنا، اس کے خلاف جدوجہد کرنا آسمانی تعلیمات اور وحی الہی کا اصل تقاضا ہے

سماجی تغیرات اور کفارات کا باہمی تعلق

موجودہ دور میں تبدیلی کی رفتار تیز ہوگئی ہے۔ اس تبدیلی کے سبب کفارہ کے ادائیگی کے طور طریقے بھی بدل رہے ہیں۔ سماجی تغیر یہی ہے کہ لوگوں کے رویے کفارات کی اقسام کے حوالے سے اور کفارات کی ادائیگی کے حوالے سے بدل رہے ہیں۔ اس سماجی تغیر کے ساتھ ساتھ لوگوں کی کفارات کے حوالے سے آگاہی بھی اس تبدیلی کا سبب ہے۔ موجودہ دور میں کفارات کا سماجی تغیرات کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے۔ اس کے نتیجے میں بہت سے مفکرین کا یہاں تک کہنا ہے کہ اب تبدیلی کا خود اپنا مفہوم بھی تبدیل ہو رہا ہے۔ ہمیشہ تبدیلی کو ایک خاص تناظر ہی میں دیکھ کے سمجھا جاتا رہا ہے یعنی سماج کے ایک جزء کو تو قابل تبدیل مانا جاتا رہا ہے۔ لیکن موجودہ تبدیلیوں کے اسکیل اور اسکوپ نے ان تصورات کو بھی بدل ڈالا ہے اور ایسی بہت سی چیزیں تبدیلی کی زد میں آنے لگیں جن کا ثابت وجامد ہونا مسلم مانا جاتا تھا. ایک اندازے کے مطابق کائنات کی ابتداء سے آج تک رونما ہونے والی تبدیلیوں کو اگر دیکھا جائے تو صرف پچھلی دو صدیوں میں ساری تبدیلیوں کے تقریباً اسی (۸۰) فیصد تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ بقیہ بیس (۲۰) فیصد تبدیلیاں باقی کے پورے ہزاروں سال کی مدت پر محیط ہے۔ سماج کو عموما انسانوں کے ایک مجموعے یا گروہ کے معنیٰ میں سمجھ لیا جاتا ہے۔ یعنی فرد واحد کے بالمقابل سماج کو رکھا جاتا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ مشہور عالم سماجیات (Anthony Giddens) سماج یا سوسائٹی کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ ایک بڑے طبقے کے درمیان پائے جانے والے ساختیاتی تعلقات (Structured relations) اور ادارے (Institutions) کو سماج کہتے ہیں۔ محض کچھ افراد کے جمع ہو جانے اور ان کے مجموعے کو سماج کا نام دینا صحیح نہیں ہوگا۔ ایک دوسرے ماہر سماجیات کے الفاظ میں: "سماج کسی گروہ

میں منظم تعلقات اور اداروں کے مرکب کا نام ہے، گویا سماج ایک مرکب (complex) وجود کا نام ہے جس کی تشکیل متعدد عوامل مل کر کرتے ہیں اور اس کے معاملات پر اثر ڈالتے ہیں۔ مثال کے طور پر ٹیکنالوجی ایک بہت اہم عامل ہے کسی سماج کی ساخت کی تشکیل کے حوالے سے بھی اور سماج کی تبدیلی کے حوالے سے بھی۔ ایسے ہی مختلف ادارے، خاندان، اسکول، حکومت وغیرہ کا بہت اہم رول ہوتا ہے۔ سماج کی تشکیل میں نقل و حرکت کے وسائل و ذرائع بھی سماج پر اپنا غیر معمولی اثر ڈالتے ہیں۔

چنانچہ ایسی کوئی بھی تبدیلی جس کا اثر سماج، سماجی اداروں، سماجی ساخت، سماجی تعلقات، سماجی اقدار سماجی معتقدات وغیرہ پر پڑے چاہے وہ براہ راست ہو یا بالواسطہ اسے سماجی تبدیلی کہتے ہیں۔ اور کفارات براہ راست سماج میں موثر ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانی زندگی کا شاید ہی ایسا کوئی حصہ ہو جسے سماجیاتی پیرائے سے الگ رکھ کر دیکھا جا سکتا ہو. جب سماجیات میں سماجی تبدیلی کی بات کی جاتی ہے تو اس سے مراد محض مثبت تبدیلی ہوتا ہے اور نہ صرف منفی تبدیلی۔ وہ تبدیلی دونوں میں سے کسی بھی طرح کی ہو سکتی ہے۔ اور اکثر اوقات اس کا فیصلہ کرنا اس قدر آسان اور سادہ نہیں ہوتا ہے کہ تبدیلی کو با آسانی اور مکمل طور سے مثبت قرار دے دیا جائے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اکثر اوقات یہ بہت کمپلیکس صورتحال کے طور سے سامنے آتی ہے جس میں بہت ہی باریکی، گہرائی اور تفصیل سے دونوں پہلوؤں کو الگ الگ کرنا اور دیکھنا مناسب ہوگا۔ مثال کے طور پر جدیدیت (modernity) کے تعلق سے نہ یہ موقف انصاف پر مبنی ہوگا کہ ہم اسے مکمل طور سے منفی اور غلط قرار دے دیں۔ اور نہ ہی یہ رویہ صحیح ہوگا کہ ہم اسے من و عن قبول کر لیں۔

بلکہ اس کا تفصیلی جائزہ لے کر اس کے مثبت پہلوؤں کو مثبت انداز میں دیکھنا اور منفی پہلوؤں کو منفی انداز میں دیکھنا عدل پر مبنی رویہ جانا جائے گا۔ سماجی تبدیلی کوئی ایسا عمل نہیں ہے جس کے عوامل اور محرکات ہمارے ہاتھ میں ہوں اور ہم یہ فیصلہ لے سکیں کہ یہ عمل ہونا چاہیے یا نہیں۔ گویا سماجی تبدیلی کو ایک ایسی حقیقت کے طور پر دیکھنا چاہیے جو بہر حال واقع ہوگی۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ سماج میں ہمیشہ مختلف رجحانات رکھنے والے عناصر موجود رہے ہیں اور رہیں گے اور ہر کسی کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ سماج کے عمومی ماحول اور سمت میں اسی کے رجحان کا غلبہ ہو۔ ایک مسلم امت ہونے کے حوالے سے اور اللہ کے آخری پیغام کے علمبردار ہونے کے حوالے سے اور اس ایمان کے حوالے سے کہ اللہ کا یہ پیغام انسانی زندگی کے ہر شعبے اور بالخصوص سماجی سطح پر قائم ہونا چاہیے۔ زندگی کا حصہ بننا چاہیے، سماج کا رنگ بننا چاہیے، ایسے میں ہماری یہ ذمہ داری ہوگی کہ ہم سماج کو اس رنگ میں تبدیل کرنے کے خواب بھی دیکھیں اور اس کے لئے پوری تیاری کے ساتھ تگ و دو بھی کریں۔ ماہرین سماجیات کے یہاں کئی اپروچ اور نظریات پائے جاتے ہیں۔ لیکن ان میں زیادہ مناسب نظریہ یہ ہے کہ اس میں دو بڑے کردار ہوتے ہیں۔ ایک سماجی ڈھانچہ یا سماجی ساخت (Social structure) اور دوسرے افراد (Agency)۔ یہ دونوں مستقل اور باہم ایک دوسرے پر اثر بھی ڈالتے ہیں اور متاثر بھی ہوتے ہیں۔ تبدیلیوں کو مختلف حوالوں سے دیکھا اور سمجھا جا سکتا ہے۔ تبدیلی کی ایک

قسم وہ ہو گی جس کا تعلق اداروں سے ہو گا اور ان تبدیلیوں کے پیچھے ایک اہم محرک ان اداروں کی فعالیت میں اضافہ کرنا اور اداروں کے عمل کو تیز رفتار اور آسان بنانا ہو گا، جیسے تعلیمی اداروں کا پورا نیا اسٹرکچر جس کے ذریعے اس بات کی کوشش ہوتی ہے کہ تعلیم ہر فرد تک پہنچ سکے۔ یا سیاسی اور عدالتی اداروں کا نظم جن کے ذریعے عوام کے رول اور عوام کے سامنے جوابدہی کو یقینی بنائے اور عدل کو جلد یقینی بنانے کا محرک بہت اہم ہے۔ یہ اور ان جیسی بہت سی تبدیلیاں ہیں جن کا تعلق اداروں سے ہے اور ان میں موجود تبدیلی کی اہمیت بہت واضح ہے ۔ تبدیلی کی ایک دوسری قسم سماجی عادات اور نارمس سے متعلق ہو گی۔عادات اور ملوک کے رویے مخصوص وقت اور حالات کی پیداوار ہوتے ہیں۔ ماہرین کے مطابق نارمس در اصل تین عوامل پر منحصر (contingent) ہوتے ہیں ۔ مخصوص سیاق (context). سوشل گروپ (Group) اور تاریخی احوال (Historical circumstances) - اخلاقی نقطۂ نظر سے ان میں تنوع کی بڑی گنجائش ہوتی ہے۔ چنانچہ بحیثیت مسلم نارمس کی تبدیلی کو اخلاقی اور شرعی دائرے کے اندر رہتے ہوئے قبول کر سکتے ہیں۔ اسی طرح سماجی ساخت کے حوالے سے جن میں سماجی طرز تعامل، تقسیم عمل، تقسیم کردار وغیرہ شامل ہیں۔ اس میں بھی تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے اور وہ بھی متعدد عوامل پر منحصر ہوتی ہے۔ سماج کے معتقدات اور ان کے افکار میں بھی تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تبدیلی کو اس کی تفصیلات اور پیچیدگیوں میں سمجھے بغیر یہ طے کرنا کہ ان تبدیلیوں کے ساتھ ہمارا رویہ کیا ہونا چاہیے، مناسب روش نہیں ہو گی۔ مختصرا یہ کہا جا سکتا ہے کہ تبدیلیوں کی وہ شکلیں جو شریعت کے مقاصد اور اصولوں سے ہم آہنگ ہوں ان کے ساتھ ہمارا رویہ مثبت تعامل کا ہونا چاہیے اور جن تبدیلیوں سے ہمارا اصولی ٹکراؤ ہو ان کو مزید تبدیل کر کے اپنے اصولوں کے موافق کرنا ہماری ذمہ داری ہو گی۔ روشن خیالی اور جدیدیت کے سامنے آنے کے بعد جن کیکوکھ سے دسیوں بڑے بڑے اور دنیا کا نقشہ بدلنے والے انقلابات رونما ہوئے سماج بالکل ایک نئی قسم کی صورتحال سے دوچار ہوا۔ برسوں سے قابل عمل طریقے، رویے، عادات، نظام سب پرانے اور بے کار ہونے لگے۔ ایسے میں جدیدیت کے بنائے ہوئے پروڈکٹس ہی ہر طرف قابل عمل سمجھے جانے لگے۔[1]

لیکن یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ جدیدیت کی انڈسٹری سے نکلنے والی بیشتر پروڈکٹس دوسروں اور خصوصا مسلمانوں کے دور کے لئے بہت ہی اجنبی تھیں ۔ جس کی صاف وجہ یہ تھی کہ اس انڈسٹری کے پیچھے جو پورا ریفرنس اور ورلڈ ویو تھا وہ مسلمانوں کے لئے اجنبی اور نا قابل قبول تھا۔ اسلام کے نام پر جو کچھ فکر و فقہ کا خزانہ موجود ہے ایک ایسے سماجی سیاق میں وجود میں آیا تھا جو موجودہ سماج سے بہت ہی زیادہ مختلف تھا۔ انسانی معاشرہ چونکہ مسلسل تغیر پذیر ہے اس لیے ہر دور میں اور ہر سماج میں موجود قیادت کا اصل مقصد صرف دور کے تقاضوں کے اعتبار سے معاشرے میں موجود عوامی مسائل کی تہہ تک پہنچنا ہوتا ہے۔ اور ان کو حل کر کے عوام کے لیے سہولتوں کا نظام پیدا کرنا ہوتا ہے۔ سماج میں موجود ناہمواریوں اور ظلم و فساد کا خاتمہ کرنا ہوتا

---

[1]۔ نجفی، محمد حسن، جواھر الکلام فی شرح شرائع الاسلام (نجف، موسسۃ التاریخ العربی، 1960) 3/175

ہے۔ پاکستانی سماج جو کہ بدترین سماجی واجتماعی مسائل کی گرداب میں پھنسا ہوا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج یہ بات زبان زدعام ہے کہ پاکستان میں موجود نظام ناکارہ ہو چکا ہے۔ یہاں مافیاز کا راج ہے۔ چوروں کا ٹولا مسلط ہے اور مفاد پرست اشرافیہ کی حکمرانی قائم ہے۔ جسے فوری طور پر تبدیل ہونا چاہیے۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ موجودہ اشرافیائی سیٹ اپ میں عوام کی رائے کا احترام اور ان کے جائز سیاسی و معاشی حقوق کے حصول و تحفظ کا کوئی جامع پلان موجود نہیں ہے۔ [1]

درحقیقت حقیقی سماجی تبدیلی کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے قومی وحدت سیاسی، اقتصادی، مذہبی، لسانی، قومی تعصبات اور طبقات سے ماورا اور سماجی تاریخی روایات و اخلاقیات کے مطابق اجتماعی ترقی کے فکر و فلسفہ پر اعلیٰ نظم وضبط کی حامل ایک مضبوط قیادت تیار کی جائے اور اس کے بعد ہی یہ قیادت عوامی بیداری اور اجتماعی قوت کے ذریعے سماجی تبدیلی کے لیے ٹھوس عملی اقدامات اٹھانے کے قابل ہو گی۔ اور موجودہ ناکارہ سسٹم کا خاتمہ کر سکے گی تبدیلی کے اس عمل کو مزید مؤثر بنانا اور مقاصد شریعت کو سامنے رکھتے ہوئے اور ان کے حصول کے لئے تبدیلی کو مزید تیز کرنے کی کوشش کرنا بھی ہماری ذمہ داری کا ایک اہم حصہ ہونا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم تبدیلی واقع ہونے کے بعد یہ جائزہ لیں کہ اس میں کچھ چیزیں ہیں جو شریعت کے اصول و مقاصد اور کلیات کی روشنی میں ہمارے لئے قابل قبول ہیں بلکہ ہم خود ایسی تبدیلی کی پہل کریں جو لوگوں کے لئے آسانی اور خوشحالی پیدا کرے، سماجی اداروں کے عمل کو بہتر سے بہتر بنائے۔ سماجی روایات اور اقدار کو بلندی کی طرف لے جائے اور صالح مثالی سماج کی تشکیل ہو سکے۔ جدید سماجی تغیرات کے نتیجے میں یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ لوگوں میں کفارات اور اس کی ادائیگی کے طور طریقوں سے ناواقفیت بہت زیادہ ہے۔ کفارات کو شرعی نقطہ نظر سے سمجھنے کے علاوہ کفارات میں چھپے مصالح کے سبب اس سے آگاہی حاصل کرنا ضروری ہے۔

---

[1] ۔ محقق حلی، جعفر بن الحسن، شرائع الاسلام فی مسائل الحلال والحرام (نجف، مطبعۃ الاداب، 1969) 3/50

فصل دوم کفارہ کی ادائیگی کی صورتیں

کفارہ کی ادائیگی کی صورتیں اور اشکال

کفارہ کی اقسام

کفارہ کی ادائیگی کی صورتیں اور اشکال کے مطابق کفارہ کی درج ذیل اقسام ہیں:

1۔ فقیروں کو کھانا کھلانا

2۔ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا

3۔ دو مہینے روزے رکھنا

4۔ 3 دن روزے رکھنا

5۔ بکرے کی قربانی دینا

6۔ اونٹ کی قربانی دینا

7 ۔ گائیں کی قربانی دینا

8۔ ایک مد طعام

9۔ چھ مسکینوں کو کھانا کھلانا

10۔ فقیروں کو کپڑا پہنانا

وہ گناہ جن کی انجام دہی کفارہ کا موجب ہے۔

وہ اعمال جن کے انجام دینے پر کفارہ واجب ہوتا ہے وہ اس عمل کی نوعیت اور اسے انجام دینے کی کیفیت کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض کی انجام دہی پر ایک خاص کفارہ واجب ہوتا ہے جس کو کفارہ معینہ کہا جاتا ہے۔ بعض اعمال کے لئے کئی کفاروں میں سے کسی ایک کے انتخاب میں مذکورہ شخص کو اختیار حاصل ہوتا ہے جن کو کفارہ مخیرہ کہا جاتا ہے ۔ بعض اوقات مختلف کفارے بالترتیب معین ہوتے ہیں جنہیں اسی ترتیب کے مطابق انجام دیناضروری ہوتا ہے۔یعنی اگر پہلا کفارہ

انجام نہ دے سکے تو دوسرے کی نوبت آئی ہے (کفارہ مرتبہ) بعض اعمال کے لئے ایک سے زیادہ کفارے معین ہوتے ہیں اور سب کو اکھٹے انجام دینا ضروری ہوتا ہے۔

موجب کفارہ امور	کفارہ کی نوعیت	کفارہ
ا۔ظِہار اور قتل غیر عمد ۲۔ماہ رمضان کے قضا روزوں کو ظہر کے بعد توڑنا	کفارہ مُرتّبہ	ا۔غلام یا کنیز آزاد کرنا اگر یہ کام نہ کر سکے تو 60 فقیروں کو کھانا کھلانا ۲۔دس مسکینوں کو کھانا کھلانا اگر یہ کام نہ کر سکے تو 3 دن روزہ رکھنا
الف) ا۔ماہ رمضان کے روزوں کو عمداً توڑنا ۲۔نذر کی مخالفت کرنا ۳۔عہد پر عمل نہ کرنا ۴۔مصیبت کے وقت عورتوں کا سر کے بال نوچنا(بعض فقہاء کے مطابق)۔ ۵۔اعتکاف کی حالت میں بیوی سے جماع کرنا ب)باب حج ا۔قربانی سے پہلے حلق یا تقصیر انجام دینا ۲۔احرام کی حالت میں شکار کرنا	کفارہ مُخَیَّرہ	الف)کسی ایک کو انتخاب کرنے میں اختیار ہے ا۔غلام یا کنیز آزاد کرنا ۲۔دو مہینے روزہ رکھنا ۳۔60 فقیروں کو کھانا کھلانا ب)باب حج ا و ۲۔کسی ایک کو انتخاب کرنے میں اختیار ہے قربانی،6 یا 10 مسکینوں کو کھانا کھلانا یا 3 دن روزہ رکھنا
ا۔حِنث قسم یعنی قسم توڑنا ۲۔عورت کا مصیبت کے موقع پر سر کے بال نوچنا ۳۔عورت کا مصیبت کے موقع پر چہرہ نوچنا ۴۔مرد کا اپنی بیوی بچوں کی موت پر لباس چاک کرنا	کفارہ مُخَیَّرہ و مُرتّبہ	الف)کسی ایک کے انتخاب میں اختیار ہے ا۔غلام یا کنیز آزاد کرنا ۲۔دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ۳۔دس فقیروں کو کپڑا پہنانا ب)انجام نہ دے سکنے کی صورت میں ۴۔3 دن روزہ رکھنا

ا۔ کسی مؤمن کو عمداً قتل کرنا ۲۔ ماہ رمضان کے روزے کو حرام کام کے ذریعے توڑنا	کفارہ جمع	درج ذیل امور کو اکھٹے انجام دیناضروری ہے ا۔ غلام یا کنیز آزاد کرنا ۲۔ دو مہینے روزہ رکھنا ۳۔ 60 فقیروں کو کھانا کھلانا
محرمات احرام جیسے ا۔ بیوی کے ساتھ جماع کرنا بیوی کے ساتھ مُلاعبہ کرنا یہاں تک کہ منی نکل آئے بیوی کی طرف شہوت آمیز نگاہ کرنا یہاں تک کہ منی نکل آئے بیوی کو شہوت کے ساتھ بوسہ لگانا ۲۔ حرم کے درختوں کو اکھاڑنا ۳۔ خوشبو استعمال کرنا سر پر سایہ قرار دینا (فقط مردوں کے لئے) ہاتھیا پاؤوں کے تمام ناخونوں کو تراشنا کپڑے پہننا یا ان کھانوں کا کھانا جو مُحرِم پر حرام ہیں بیوی کو شہوت کے بغیر بوسہ لگانا بیوی کو شہوت کے ساتھ لمس کرنا یہاں تک کہ منی نکل آئے ۴۔ ہر ناخن کے تراشنے پر جن کی مجموعی تعداد 1 ناخن سے کم ہو ۵۔ احرام کی حالت میں نامحرم کی طرف نگاہ کرنا یہاں تک کہ منی نکل آئے	کفارہ مُعیّنہ	ا۔ قربانی (اونٹ ۲۔ گائیں کی قربانی (درختوں کی جسامت پر موقوف ہے ۳۔ قربانی ۴۔ ایک مد طعام ۵۔ اونٹ کی قربانی اس شخص کے لئے جس کی مالی حالت بہتر ہو گائیں کی قربانی اس شخص کے لئے جس کی مالی حالت متوسط ہو قربانی اس شخص کے لئے جس کی مالی حالت کمزور ہو

احکام:

- کفارے کے طور پر فقیر کو دیا جانے والا کھانا اور کپڑا کسی مسلمان فقیر کو دینا واجب ہے۔
- کفارہ واجب تعبدی ہے۔ اس بنا پر اس کے ادا کرنے میں قصد قربت شرط ہے۔
- اگر کفارے کے بعض موارد جیسے غلام آزاد کرنا ممکن نہ ہو تو کفارہ جمع میں یہ مورد ساقط ہو گا اور مخیرہ اور مرتبہ کفارات میں اس کے علاوہ دوسرے موارد کو انجام دینا ضروری ہے۔
- جس وقت روزے کو کفارے کے عنوان سے رکھا جائے تو اسے پے در پے رکھنا ضروری ہے۔ البتہ 60 روزوں میں صرف روزوں کو پے در پے رکھنا ضروری ہے۔
- اگر مختلف محرمات احرام کی وجہ سے مختلف کفارے واجب ہوں تو ہر ایک کے لئے علیحدہ کفارہ ادا کرنا ضروری ہے۔

موجودہ تناظر میں قتل خطا سے متعدد اموات کا خطرہ

اگر کسی شخص سے کسی حادثہ میں متعدد اموات ہو جائیں جس پر قتل شبہ عمد یا قتل خطاء کا تحقق ہو تا ہو تو اس صورت میں مذکورہ شخص پر ان سب کی طرف سے ایک ہی کفارہ ادا کرنا کافی ہو جائے گا یعنی کفارہ قتل میں تداخل ہو جاتا ہے۔[1]

موجودہ تناظر میں کفارہ ادا کرنے کے لئے کسی کو اپنا نمائندہ بنانا یا کفارے کی ادائیگی کے لیے کسی خیراتی ادارے یا کسی اور کو اپنا نمائندہ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسے کہ ابن قدامہ کہتے ہیں۔

ایسی عبادات جن کا تعلق مال سے ہے جیسے کہ نکاح، نذر اور کفارہ وغیرہ تو ان عبادات میں کسی کو اپنا نمائندہ بنانا جائز ہے کہ کوئی غریب شخص کی طرف سے وصولی کرے۔ یا صاحب حیثیت شخص کی طرف سے مستحق لوگوں میں تقسیم کرے۔ لہذا مالی عبادت کرنے والے کے لیے اس مال کو مستحق لوگوں تک پہنچانے کی ذمہ داری کسی اور کو سونپنا جائز ہے۔

---

[1]۔ المصری، ابن نجیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، 4/10

غریب شخص کو ہوٹل سے کھانا وصول کرنے کیلئے کوپن دینے یا تیار کھانا دینے کا حکم

غریب شخص کو ہوٹل سے کھانا وصول کرنے کے لیے پیڈ کوپن دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ یہ کوپن نقدی نوٹ نہیں ہے بلکہ یہ تو کھانے کی رسید ہے۔ تو اگر خیراتی ادارے نے کھانے کے کوپن خریدے یا کفارے کی مد میں کوپن خریدے گئے تو اس کا مطلب کھانا ہی ہے کہ مستحق شخص آکر متعلقہ ہوٹل سے کھانا کھالے۔ کفارے کی مد میں ہوٹل سے تیار کھانا لے کر تقسیم کرنا بھی جائز ہے۔[1]

دور حاضر میں غلاموں کا نہ پایا جانا

قدیم اقوام، فلسفیوں اور یہود و نصاری کے نزدیک غلامی قانونی طور پر جائز تھی۔ سب سے پہلے رومیوں نے قیدیوں کو غلام بنایا تھا اور مغلوب اقوام کو مطیع بنایا تھا۔ ان کے نزدیک اس کی متعدد وجوہات و اسباب تھے۔

قدیم اقوام کی زندگی میں غلامی کو تجارتی اور زراعتی سرگرمیوں میں ستون کی حیثیت حاصل تھی اور اسے ایک بنیادی نظام اور اقتصادی و اجتماعی ہیئت کے لئے باعث استحکام سمجھا جاتا رہا۔ مسلمان مجتہدین نے ان حالات میں مناسب نہ سمجھا کہ دنیا سے غلامی کو ختم کیا جائے تاکہ اسلام کی دعوت لوگوں کے مانوس نظام سے ٹکرا نہ جائے اور معاشرتی اور اقتصادی اصولوں میں بے چینی و بے قراری نہ آئے اور یوں جھگڑوں و اختلافات میں اضافہ ہو اور معاشرہ میں غربت و محرومیاں عام ہو جائیں اور آزاد ہونے سے پہلے غلاموں میں متعدد جرائم پیدا ہوں. چونکہ انسانی اور اسلامی قوانین میں آزادی کو اولیت حاصل ہے اور اسلام کو آزادی کی بقاء اور حمایت میں بہت زیادہ دلچسپی ہے۔ اسلام نے غلامی کے مسئلے کا تدریجی حل پیش کیا ہے اور اس کے خاتمے کے لئے اسباب فراہم کر دیئے ہیں اور غلامی کے تمام راستے بند کر دیئے ہیں۔ سوائے اس کے کہ ظلم کے خلاف اور دوسری اقوام کے ساتھ برابری کی فضا کو برقرار رکھنے کے لئے ایک مبنی بر انصاف جنگ کے نتیجے میں اور وہ بھی غیر مسلموں کے سلوک کے جواب میں جنگی قیدیوں کو غلام بنایا جائے یا وراثت میں کسی کو غلام مل جائے۔ مزید برآں اسلام نے غلامی کے خاتمے کے لئے متعدد راستے کھول دیئے ہیں اور آزاد کرنے کے ذریعے غلامی کے خاتمے کے لئے ترغیبات پیش کی ہیں۔ خواہ یہ آزاد کرنا محض خوشنودی خداوندی کے حصول اور آخرت میں نجات حاصل کرنے کے لیے ہو اور خواہ یہ کئی قسم کے جرائم اور گناہوں کے ارتکاب کے بعد کفارہ کے طور پر ہو جیسے قسم جس کو توڑ دیا گیا ہو۔ یا بیوی کے ساتھ ظہار والا معاملہ ہے۔ اسلام نے اکثر و بیشتر قیدیوں کا انجام یہ طے کیا کہ یا تو بطور احسان انہیں بلا معاوضہ چھوڑ دیا جائے یا ان سے معاوضہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ یا قیدیوں

---

[1] ۔ حنبلی، ابن قدامہ، المغنی، (القاہرہ مطبعۃ السعادۃ، 2001) 5/53

کے تبادلہ کے طور پر انہیں آزاد کر دیا جائے۔ اسلام نے یہ تلقین بھی کی ہے کہ غلاموں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے۔ اسلامی ہدایات نے انسانی ضمیر کو اس مسئلے کے احساس کے لئے تیار کرنے اور غلامی کو دنیا سے ایک دم ختمکرنے کی بجائے اسے تدریجاً ختم کرنے کا حل دیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ ایک واضح حقیقت کے طور پر سامنے آیا کہ دنیا سے غلامی کو ختم کرنے کے کام میں اسلام رکاوٹ نہیں ڈالتا بلکہ اس کی طرف ترغیب دیتا ہے. اور اس کے راستوں کو ختم کرنا چاہتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ کسی آزاد فرد کو غلام بنانا کسی طور پر جائز نہیں اور غلاموں کی خرید و فروخت جیسے کام سے وہ شدید نفرت کرتا ہے۔

غلامی کا نظام قرونِ وسطیٰ اور بعد کے زمانے میں قائم رہا یہاں تک کہ یورپی اقوام نے غلاموں کی عام تجارت کو 1815/ میں منعقدہ ماہانہ کانفرنس میں غلط قرار دیا اور اور اس کے بعد بہت سی قرار دادیں پاس ہوئیں اور آخر میں 7 ستمبر 1956 کو ایک قرارداد جینوا میں منظور ہوئی جس کی رو سے غلامی، غلاموں کی خرید و فروخت اور اس سے ملتی جلتی صورتوں کو کالعدم قرار دیا گیا۔ غلاموں کو آزاد کروانے والے حصے کے بارے میں دو نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں ایک نقطہ نظر احناف اور شوافع کا ہے جس کے تحت یہ حصہ صرف مکاتب غلاموں تک محدود ہے اور دوسرا نقطہ نظر مالکیہ اور حنابلہ کا ہے جس کے تحت یہ حصہ ہر طرح کے غلام اور گردنوں کو چھڑانے کے لئے خرچ ہوتا ہے۔ حنابلہ کے نزدیک اس بارے میں مکاتب اور دیگر غلام برابر ہیں البتہ مسلمان قیدیوں کو کافروں کی قید سے چھڑانے کو حنابلہ جائز سمجھتے ہیں لیکن مشہور مالکی مذہب کے علماء اسے جائز نہیں سمجھتے۔ دونوں نقطہ ہائے نظر کے دلائل کے موازنہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ دوسرے نقطہ نظر کا پلڑا بھاری ہے اس لئے کہ ارشاد باری تعالیٰ "وفی الرقاب،، میں عموم پایا جاتا ہے جسے عام ہی رہنے دینا چاہیے۔ الرقاب میں مکاتب، غلام کو آزاد کرنے کے لئے خریدنا اور قیدیوں کو کافروں کی قید سے رہا کرانا سب شامل ہیں۔ تاکہ قرآن کریم کے لفظ الرقاب میں جو عموم پایا جاتا ہے اس پر عمل ہو سکے۔[1]

کفارہ کی قیمت !! یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا کفارہ کی ادائیگی میں اشیاء مثلاً غلام، کھانا اور کپڑوں کی جگہ ان کی قیمت ادا کی جا سکتی ہے۔ یا نہیں ؟ تو امام کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی المعروف بابن الھمام الحنفی (متوفی ۸۶۱) لکھتے ہیں۔

" و يجوز دفع القيمة فى الزكاة عندنا وكذا في الكفاراتو صدقة الفطر والعشر والنذر ۔

آپ مزید لکھتے ہیں

اداء القيمة مكان المنصوص عليه فى الزكاة والصدقات والعشور والكفارات جائز

اسی طرح احناف کے ہاں دانے، آٹا، روٹی اور مسکین کو رات یا صبح کا کھانا کھلانے سے بھی کفارہ ادا ہو جاتا ہے۔[2]

---

[1]۔ امام، وھبۃ الزحیلی، آثار الحرب فی الفقہ الاسلامی (بیروت، دار الفکر، 1998) ص:74

[2]۔ حنفی، ابن الھمام، محمد بن عبد الواحد السیواسی، فتح القدیر، ص:199

فصل سوم کفارہ کی عصری معنویت

کفارہ کی عصری معنویت

اس بات کا قوی امکان ہے کہ بشری تقاضوں اور انسانی فطرت کے زیر اثر انسان سے خطائیں سرزد ہوں، قصور اور کوتاہیاں ظاہر ہوں۔ اپنے رب کے حق میں بھی اور اس کے بندوں یعنی مخلوق کے حق میں بھی۔ مگر اللہ ہمارا خالق ومالک، آقا و مولا، جو بہت رحمن ورحیم ہے، نے بندوں کو بھی نہ تو گناہوں، خطاؤں کی ظلمتوں میں بھٹکتا چھوڑا ہے۔ نہ کسی بند گلی میں دھکیلا ہے۔ جہاں تلافی مافات کی کوئی صورت نہ ہو اور نہ کوئی واپسی کا راستہ میسر ہو۔ کفارہ ایسا ہی ایک اللہ کو بے حد پسندیدہ عمل ہے جو انسان کو ضمیر کا بوجھ اور قصور وخطا کی دلدل سے نجات عطا کرتا ہے۔ اسی لیے اللہ اور اس کے رسول پاک ﷺ نے اہل ایمان کو اور کائنات کے تمام انسانوں کو توبہ واستغفار اور گناہوں سے اجتناب و کفارہ کی ادائیگی کی بار بار دعوت دی ہے اور تلقین کی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے اور اس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ جرائم پیشہ افراد بھی ہماری معاشرتی زندگی کا ایک حصہ ہیں۔ گو اس امر سے بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ یہ انتہائی ناپسندیدہ طبقہ جو معاشرے کو کسی ناسور کی طرح سے لاحق ہے۔ جسم انسانی کو لاحق مہلک ناسور کی طرح کھائے جارہا ہے۔ اور اس کا کاٹ پھینکنا اور پورے معاشرے کے وجود کو اس کی تباہ کاریوں سے بچانا بھی ضروری ہے۔ لیکن ہر ذی شعور اور دانش مند انسان اس حقیقت سے بھی آگاہ ہے کہ جب تک مرض کی وجہ کا علاج نہ کر دیا جائے مرض سے چھٹکارا ممکن نہیں ہوتا۔ اور جسم کے جس حصہ کو لاحق ناسور ناقابل علاج ہو جائے اور بقیہ جسم کی ہلاکت کا باعث بن رہا ہو تو جسم کے اس حصے کو کاٹ کر الگ کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ پھر ہم اپنے معاشرتی جسم کو کہاں تک کاٹ کر پھینک سکتے ہیں۔ یقیناً ان وجوہات کا پتہ لگانا اور ان کا سد باب کرنا لازم ہے جو اس ناسوری کیفیت کو جنم دیتی ہے۔ اور اس کا سد باب کفارہ کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

بدقسمتی سے آج کے ہمارے اس خزاں رسیدہ معاشرہ میں اخلاقیات، تہذیب وتمدن اور تربیت و تادیب کے آثار ہی نہیں پائے جاتے جس کی وجہ نبی کریم ﷺ کے اخلاق حسنہ اور اسلامی تعلیمات واحکامات سے دوری ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر رسول کی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾[1]

بلاشبہ یقیناً تمھارے لیے اللہ کے رسول میں ہمیشہ سے اچھا نمونہ ہے، اس کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرتا ہو۔

---

[1]۔ الاحزاب: 21

﴿ قُلْ إِنْ كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴾[1]

(کہہ دے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھیں تمھارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے)

یہی وجہ ہے کہ جب ہم نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع و اطاعت چھوڑ دی تو ہم قوموں میں رسوا اور زوال پذیر ہو رہے ہیں اور بگاڑ کا گھن ہمیں دیمک کی طرح کھا رہا ہے۔ وہ دین جس کی حقیقی پہچان اخلاقیات کا عظیم باب تھا اور جس کی تکمیل کے لیے رسول اللہ ﷺ مبعوث کیے گئے تھے۔[2] وہ دین جس نے معاملات کو اصل دین قرار دیا تھا۔ آج اسی دین کے ماننے والے اخلاقیات اور معاملات میں اس پستی تک گر چکے ہیں کہ عدالتوں میں مقدمات کی بھرمار ہے، جیل خانہ جات میں جگہ تنگ پڑ رہی ہے۔ گلی گلی، محلہ محلہ، جگہ جگہ لڑائی جھگڑا، گالی گلوچ، ظلم و زیادتی، ، فساد کینہ، حسد، حقتلفی اور مفاد پرستی عام ہے۔ منشیات کے بازار، ہوس کے اڈے، شراب خانے، جوا، چوری، ڈاکہ زنی، قتل و غارت گری، زناکاری، رشوت خوری، سود و حرام خوری، دھوکہ دہی، بد دیانتی، جھوٹ، خوشامد، دوغلہ پن، حرص، طمع، لالچ، ملاوٹ، ناپ تول میں کمی آخر وہ کون سا اخلاقی مرض اور بیماری ہے جو ہم میں نہیں۔ خود غرضی اور بد عنوانی و کرپشن کا ایسا کون سا طریقہ ہے جو ہم نے ایجاد نہیں کیا؟ دھوکہ دہی اور مفاد پرستی کی ایسی کون سی قسم ہے جو ہمارے یہاں زوروں پر نہیں؟ تشدد، تعصب، عصبیت اور انسان دشمنی کے ایسے کونسے مظاہر ہیں جو ہمارے اسلامی معاشرے میں دیکھنے کو نہیں ملتے۔ آج دنیا میں اسلام بدنام ہے اور اس کا حقیقی چہرہ مسخ ہو چکا ہے، یہ کسی اور نے نہیں خود ہم نے کیا ہے۔ آج دنیا اس پر طنز و تنقید اور پھبتیاں کسنے لگی ہے، آج دنیا کے ہر کونے سے انگلی ہمارے عظمت والے دین پر اٹھتی ہے۔ اس پر نکتہ چینیاں کی جاتی ہیں، اس پر ہنسی، تضحیک اور اس کے خاکے بنائے جاتے ہیں۔ اور باطل اسے دنیا سے ناپید کرنے کی کشمکش میں ہے۔ آج دنیا اسے بد خلقی، ناانصافی، ظلم و زیادتی کا دین تصور کرتی ہے صرف ہمارے اوصاف کی وجہ سے۔ گناہوں پر احساس ندامت نہ ہونے کی وجہ سے، نظام کفارہ سے روگردانی کی وجہ سے۔ صحیح و اکمل دین کی، دنیا میں ذلت و رسوائی کا سبب ہم ہیں، ہمارے سیاہ اوصاف ہیں۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اخلاقی بگاڑ ہماری زندگی کے ہر شعبے میں داخل ہو چکا ہے۔ معاملہ عبادات کا ہو یا معاملات کا، حقوق و فرائض ہوں یا تعلیم و تربیت۔ امانت، دیانت، صدق، عدل، ایفائے عہد، فرض شناسی اور ان جیسی دیگر اعلیٰ اقدار اور احساس ذمہ داری و جواب طلبی کا ہم میں فقدان ہے۔

اسلامی حدود اور تعزیرات و کفارات کا مقصد معاشرتی مریضوں کا علاج ہے تاکہ وہ صحت یاب ہو کر معاشرے کے صحت مند افراد بن سکیں اور ایک صاف ستھرا اسلامی معاشرہ قائم رہے۔

---

[1]۔ آل عمران:31

[2]۔ امام، مالک بن انس، موطا امام مالک، 2/904

موجودہ حالات میں کفارہ کی معنویت مزید دوچند ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اسلامی تعلیمات کے مطابق کسی فرد کے عقیدہ، اس کی عزت، اس کی جان، اس کی عقل اور اس کے مال پر کسی قسم کی دست درازی اسلام کی نظر میں بہت بڑا جرم ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

فَإِنَّ دماءَكُمْ، وَأَموالَكُمْ عَلَيْكُمْ حرامٌ، كَحُرْمَةِ يومِكُمْ هذَا، فِي شَهْرِكُمْ هذَا، فِي بَلَدِكُمْ هذَا[1]

(پس بے شک تمہارے خون، اموال تم پر اس طرح حرام ہیں اور محترم ہیں جیسا کہ اس دن کی حرمت ہے، اس مہینے میں حرام ہیں اور اس شہر میں حرام ہیں۔)

جس سے معاشرتی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس پر کفارہ جیسے حدود و تعزیرات اور قصاص جیسے سخت اقدامات تجویز کیے گئے ہیں۔ تاکہ مجرم کو ارتکاب جرم سے باز رکھا جائے اور معاشرے سے فساد کا مادہ ختم کر دیا جائے۔ اسلامی معاشرہ میں جب کسی شخص کو اس کا نفس اور شیطان کسی جرم کے ارتکاب پر آمادہ کرے گا تو وہ ارتکاب جرم سے پہلے بار بار پاداش عمل کو سوچنے پر مجبور ہو گا اور ہوش میں آ کر اس غلط ارادہ کو عملی جامہ پہنانے سے باز رہے گا۔ اعداء اسلام جنہیں اللہ تعالیٰ نے نورِ ایمان سے ہی نہیں بلکہ معاشرتی امن کی حقیقی معنویت اور بنیادوں کو سمجھنے سے بھی محروم رکھا ہے۔

﴿خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾[2]

(اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی اور ان کی نگاہوں پر بھاری پردہ ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔)

وہ ان شرعی تعزیرات و کفارات پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور انہیں نعوذ باللہ وہ وحشیانہ سزاؤں" سے تعبیر کرتے ہیں۔ حالانکہ بعض دفعہ وہ خود اپنے ملکوں میں معمولی جرائم پر اس سے بھی سخت سزائیں جاری کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہ سب باتیں اسلام سے کینہ و عداوت اور بغض و عداوت کی بنا پر کی جاتی ہیں۔ ان دانش مندوں سے کوئی پوچھے کہ کیا ان سنگین جرائم کا ارتکاب وحشی پن نہیں؟ اور جس معاشرے میں چند انسان نما بھیڑیئے گھناؤنے جرائم کا ارتکاب کر کے وحشی بن جائیں اور ارباب اقتدار معاشرے کو ان وحشیوں سے نجات دلانے کے لیے کوئی ٹھوس اقدام نہ کریں۔ کیا چند دنوں میں وہ پورا معاشرہ وحشی نہیں بن جائے گا؟ کوئی عقل مند انسان ان گھناؤنے جرائم کی سنگینی اور وحشی پن سے انکار نہیں کر سکتا جس کا ارتکاب یہ مجرم کرتا ہے اور جس کا دفاع یہ اعداء اسلام کر رہے ہیں۔

---

[1]۔ امام، احمد بن حنبل، مسند احمد، 22/265

[2]۔ البقرۃ: 7

ذرا سوچیے کیا بلا وجہ کسی بے گناہ کی جان تلف کر دینا وحشی پن نہیں؟ جیسے ایک مجرم معمولی اسباب کی بناء پر قتل کر کے اس کی بیوی کو بیوہ اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو یتیم بنا دیتا ہے اور انہیں اپنے والد کے سایہ عاطفت سے محروم کر دیتا ہے، کیا یہ وحشیانہ حرکت نہیں کہ ایک مجرم پل بھر میں ایک مزدور یا ملازم کی مہینوں اور سالوں کی خون پسینے کی کمائی اڑا لے جاتا ہے اور اسے اور اس کے اہل وعیال کو ضروریات زندگی تک سے محروم کر دیتا ہے؟ حالانکہ حکم یہ ہے کہ

أَعْطُوا الْأَجِيرَ أَجْرَهُ، قَبلَ أَنْ يَجِفَّ عرقُه[1]

(مزدور کو اس کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دو۔)

ایک شہر یا ایک محلہ کے باشندے نہایت امن وامان کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ انہیں اپنی عزت، جان اور مال کا کوئی خطرہ نہیں، یکایک ایک مجرم آکر ان سب کی زندگی مکدر کر دیتا ہے، اور ان کے امن اور سلامتی کو خوف اور پریشانی سے بدل دیتا ہے کیا یہ وحشی پن نہیں؟ اور پھر جو شخص ایسے مجرم کی پشت پناہی کرتا ہے اور اس سے تعاون کرتا ہے یا اس پر رحم کرتا ہے جسے بے گناہ مخلوق کمزوروں اور یتیموں اور بیواؤں پر ترس نہیں آتا کیا یہ شخص اس مجرم کی مانند ان وحشی جرائم کا ارتکاب نہیں کر رہا؟ بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں بلکہ سینوں کے اندر دل اندھے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾ [2]

(پس بے شک قصہ یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں اور لیکن وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔)

اس وجہ سے ان اعداء اسلام کی بڑی غلطی یہ ہے کہ وہ شرعی حدود پر اعتراض کرتے ہوئے انہیں انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین پر قیاس کرتے ہیں۔ ایسے انسان جو نورِ ایمان سے محروم ہیں۔ جو صرف مادی عقل سے سوچتے ہیں اور جنہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کل کے حالات کیسے ہوں گے۔ وہ اپنے موجودہ ماحول کے حالات دیکھ کر ان ہی کی روشنی میں قوانین وضع کرتے ہیں۔ اس لیے کل جب حالات بدل جاتے ہیں تو مجبوراً انہیں وہ قوانین بدلنے پڑتے ہیں۔ اعداء اسلام اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ شرعی حدود انسان کی وضع کردہ حدود نہیں بلکہ وہ آسمانی حدود ہیں جن کو ایک ایسی ذات نے اتارا ہے جو خالق بشر ہے اور

---

[1]۔ القزوینی، ابو عبد اللہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ (دار احیاء الکتب العربی، 1997) 2/17

[2]۔ الحج: 46

جو انسان کی خصلت وجبلت اور اس کی طبیعت و مزاج سے واقف ہے جو قیامت تک کے آنے والے حالات سے واقف ہے۔ جو یہ جانتا ہے کہ فلاں جرم کتنا سنگین ہے، اس کی ٹھیک ٹھیک سزا جو عدل کے ترازو میں تول کر دی جائے کتنی ہونی چاہیے اور جسے یہ خبر ہے کہ فلاں جرم کا ارتکاب معاشرے پر کیا تباہی لا سکتا ہے اور اس کی روک تھام کیسے ہو سکتی ہے اس نے جب یہ حدود اتاری ہیں تو انہیں انسان کی اصلاح کے لیے اتارا ہے۔ اور اس نے انسانی معاشرے کو امن اور چین مہیا کرنے کے لیے یہ تریاق نازل کیا ہے۔

حاصل یہ کہ حق تعالیٰ نے حدود و قصاص، تعزیرات و کفارات کے جو قوانین عطا کیے ہیں وہ انسانی ذہن کی اپج نہیں جو آئے دن انسانی معاشرے پر قانون سزا نافذ کرنے کی مشق کرتے رہتے ہیں۔ اور عطائی کی طرح جب ایک نسخہ فٹ نہیں آتا تو دوسرا بدل دیتے ہیں۔ نہیں بلکہ یہ خدائی قوانین ہیں جنہیں اس کے علم محیط اور حکمت کاملہ نے جرائم کی ٹھیک ٹھیک تشخیص کرنے کے بعد تجویز فرمایا ہے اور انہی کے نفاذ میں باعزت اور پر امن زندگی کی ضمانت ہے لیکن جو عقول کے حق کو سمجھنے سے قاصر ہے یا جو مادیت اور سہولت میں گرفتار ہو کر فاسد ہو چکے ہیں۔ وہ اس کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے لہذا انہیں اسلام کی بجائے اپنے آپ کو ملامت کرنا چاہیے۔ اگر چمگادڑ سورج کو نہیں دیکھ سکا تو سورج کا اس میں کیا قصور ہے۔

الغرض موجودہ حالات کے تناظر میں عدالت پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ مجرم کو مناسب سزا دے تاکہ جرائم کا انسداد ہو۔ اور معاشرہ ہر قسم کے فساد سے پاک ہو جائے اور تعمیر اور ترقی کا پہیہ رواں دواں رہے اور بد عنوان و شر انگریز عناصر اپنے انجام کو پہنچیں۔ کیونکہ اب بھی جرائم کے کفارہ کا موقع ہے اب بھی ہم نے اپنے گناہوں پر ندامت کا اظہار کر کے کفارہ کی ادائیگی کے ذریعے اپنا مذہبی اور قومی فرض ادا نہ کیا تو ملک و قوم کا (خاکم بدہن) شاید کوئی موجود نہ رہے۔

خاتمہ

خلاصہ بحث

کفارہ کا تصور تمام مذاہب میں موجود ہے جس کے ذریعہ سے بندہ گناہوں اور لغزشوں کی تلافی کر سکتا ہے۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات اور دین فطرت ہے جو کہ اپنے ماننے والوں کی اصلاح و تربیت کے لیے ان پر مختلف قسم کی ذمہ داریاں بھی عائد کرتا ہے۔ دیگر اعمال کے ساتھ اگر کوئی گناہ ہو جائے تو اس کی تلافی کے لیے ایک مکلف آدمی پر کفارہ کو لازم کیا ہے۔ تاکہ وہ اپنے گناہوں سے پاک ہو سکے۔ شریعت اسلامیہ نے کفارہ کو لازم کر کے انسانوں کی تربیت میں بھی بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ وہ تربیت جسمانی اور روحانی دونوں قسم کی تربیتوں پر مشتمل ہے۔ کفارہ کے ذریعہ انسان کا جسم گناہ کی قربت سے دور ہو جاتا ہے۔ روح گناہ سے آلودہ ہونے سے بچ جاتی ہے۔ جس وجہ سے انسان اچھائیوں کی طرف راغب ہوتا ہے اور برائیوں سے اپنے آپ کو بچاتا ہے۔ اور اسی وجہ وہ خود بھی اور دیگر انسان بھی اس کے شر سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ جس سے معاشرے میں بھی امن و امان قائم ہو جاتا ہے۔ کفارہ ہی کے ذریعے دوسرے انسانوں کا احساس ہوتا ہے کہ ان کے حقوق کو بھی پورا کیا جائے۔ حقوق پامال کرنے کا ڈر اور ادائیگی حقوق کی ذمہ داری کا احساس ہوتا ہے۔ کفارہ گناہوں کے اتارنے کا ذریعہ بھی ہے اور درجات کی بلندی کا بھی۔ یہ اس لیے بھی اہم ہے کہ اس کے ساتھ ہمارے بہت سے فوائد جڑے ہیں۔ وہ فوائد معاشی بھی ہیں، معاشرتی بھی۔ اس کے علاوہ کفارہ میں بہت سے اخلاقی اور روحانی فوائد بھی موجود ہیں۔ وہ ذرائع جو ہمارے طرز معاشرت اور اخلاق کو درست کریں بہت اہمیت کے حامل ہیں اور کفارہ میں یہ تمام فوائد موجود ہیں۔ اخلاق کی درستگی میں کفارہ کا کردار اس طرح ہے کہ کفارہ برے اور غلط کاموں پر لازم آتا ہے۔ جس سے بچ جانے کی وجہ سے اخلاق کی اصلاح ہوتی ہے۔ معاشی طور پر کفارہ کا یہ اثر ہوتا ہے کہ کفارہ غریب اور مسکین کو دیا جاتا ہے جو اس کے ساتھ ایک تعاون اور مدد ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے معاشی مدد بھی ہے۔

نتائج بحث (Findings)

قرآن وسنت میں موجود کفارات اور اس کی عصری معنویت درج ذیل نکات سے واضح ہوتی ہے۔

موجب کفارہ امور	کفارہ	عصری معنویت
ظہار: کسی شخص کا اپنی بیوی کو اپنی ماں یا کسی محرم خاتون سے تشبیہ دینا ہے۔	ظہار کا کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرے یا دو مہینے کے متواتر روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔	دور حاضر میں کھانا کھلانے کے بجائے کھانے کی قیمت ادا کی جاسکتی ہے۔
کفارہ یمین: کفارہ یمین قسم کو توڑ دینے کے سبب لازم ہونے والا کفارہ ہے۔	دس مسکینوں کو دو وقت کا کھانا کھلانا یا دس مسکینوں کو ایک ایک جوڑا کپڑا پہنانا یا غلام آزاد کر دینا ہے۔	دس مساکین کو کپڑا پہنانے کی صورت میں مساکین کو سلائی کی رقم بھی ادا کرنی ہے۔
کفارہ قتل خطا: غلطی سے قتل ہو جانے کے سبب ادا کیا جانے والا کفارہ کفارہ قتل خطا کہلاتا ہے۔	ایک مومن غلام کو آزاد کرنا اور مقتول کے وارثوں کو دیت دینا ہے اور غلام نہ ہونے کی صورت میں دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنے ہیں۔	دور حاضر میں دیت کی ادائیگی جائید اد یا پلاٹ کی صورت میں کی جاسکتی ہے۔

نتائج بحث

قرآن وسنت میں موجود کفارات کی حکمتیں درج ذیل نکات سے واضح ہیں۔

1. توبہ اور ندامت
2. انسانی کردار سازی
3. اخلاق کی اصلاح
4. برے اعمال کے اثرات کو دور کرنا

نتائج بحث

قرآن وسنت میں موجود کفارات کے مقاصد درج ذیل نکات سے واضح ہیں۔

1. دین سے وابستگی
2. غریبوں کی مدد اور تعاون
3. اخلاقی ومعاشرتی تعاون
4. گناہوں سے دوری

سفارشات مقالہ

اس مقالہ کی اہم تجاویز و سفارشات جن میں مزید تحقیق کے پہلو نمایاں ہیں۔

1. کفارات سے متعلق لاعلمی کو ختم کرنے کے لیے لوگوں میں شعور پیدا کرنے کی ضرورت ہے
2. کفارات سے متعلق علمی مجالس مقرر کی جائیں اور سیمینارز منعقد کروائے جائیں۔
3. علمائے کرام کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو کفارات سے متعلق آگاہی دیں۔
4. محققین کو مزید اس پر کام کرنے کی ضرورت ہے کہ کفارہ کو اجتماعی سطح پر کیسے استعمال کیا جائے۔

فہرست مصادر و مراجع

فہرست آیات

نمبر شمار	آیات	سورة	صفحہ نمبر
1	﴿آمنوا كُتِبَ عليكُم الصيام كَما كُتب﴾	البقرة	25
2	﴿وأَقيموا الصَّلَاةَ وآتوا الزَّكَاةَ وما تُقدِّموا	البقرة	14
3	﴿ومن يقتل مؤمنًا متعمدًا فجزاؤه جهنَّم﴾	البقرة	34
4	﴿وأيَّدْناه بروحِ الْقُدُس ولَو شاء اللَّه ما﴾	البقرة	57
5	﴿إنَّ الدين عندَ الله الإِسلام وما اختلف﴾	آلعمران	19
6	﴿لأُكَفرنَّ عنهم سيئاتهم ولأُدْخلنَّهم جنَّات﴾	آل عمران	73
7	﴿ إنَّ اللَّه لَا يغفر أَنْ يشْرك به ويغْفر ما﴾	النسآء	33
8	﴿وكَتبنا عليْهم فيها أَنَّ النَّفس بالنَّفْس﴾	المائدة	18
9	﴿ومن أَحياها فكَأَنَّمَا أَحيَا النَّاس جميعا﴾	المائدة	32
10	﴿فكَفَّارته إِطْعام عشرة مساكين من أَوسط﴾	المائدة	18
11	﴿ومن قتله منكُم متعمدًا فجزاء مثْل ما﴾	المائدة	19
12	﴿لَا يؤاخذُكُم اللَّه باللَّغْو في أَيْمانكُمولكن﴾	المائدة	21
13	﴿ولَا تَكْسب كُلُّ نفْس إِلَّا عليْها ولَا تزر﴾	الانعام	62
14	﴿إنَّ الْحسنات يذْهبن السَّيِّئات ذَلك ذكْرى﴾	هود	43
15	﴿فإِذا سوَّيته ونفخت فيه من روحي فقعوا﴾	الحجر	29
16	﴿وأَوفوا بعهد اللَّه إِذا عاهدتم ولَا تنقضوا﴾	النحل	21
17	﴿إنَّ اللَّه يأْمر بالْعدل والْإِحْسان وإيتاءذي﴾	نحل	50
18	﴿ويسأَلُونك عنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوح من أَمْر ربِّي﴾	الاسراء	57
19	﴿ إنِّي نذَرت للرَّحْمنِ صوما فلَن أُكَلِّم الْيوم﴾	مريم	25

20	﴿ولقد كتبنا في الزَّبور من بعد الذّكْر أنَّ ﴾	الانبياء	85
21	﴿نزلَ به الرُّوح الْأَمينُ على قَلْبك ﴾	الشعراء	58
22	﴿والَّذين يظَاهرونَ من نسائهمْ ثُمَّ يعودُونَ لما قَالُوا فَتحْرير رقبة منْ قَبْلِ أَنْ يتماسَّا ذلكُمْ ﴾	المجادلة	40
23	﴿قدْ فَرضَ اللَّه لَكُم تَحلَّةَ أَيْمَانكُمْ واللَّه ﴾	التحريم	24
24	﴿وإنَّك لَعلَى خُلُق عظيم ﴾	القلم	54
25	﴿لا أُقْسم بيوم الْقيامة ولَا أُقْسم بالنَّفْس ﴾	القيامة	53
26	﴿يوم يقوم الرُّوح والْملائكَةُ صفًّا لَا يتكَلَّمونَ﴾	النبا	38
27	﴿فأَمَّا من طَغَى وآثَر الْحياةَ الدُّنْيا ﴾	النازعات	78
28	﴿ونَفْس وما سوَّاها فَأَلْهمها فُجورها ﴾	الشمس	69
29	﴿ تنزَّلُ الْملَائكَةُ والرُّوح فيها بإذْن ربّهم منْ كُلِ أَمْرٍ ﴾	القدر	75

فہرست احادیث

نمبر شمار	احادیث	کتب کا نام	صفحہ نمبر
1	انْصر أَخاكَ ظَالماً أَوْ مظْلُوماً	صحیح بخاری	78
2	فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ، فَإِنَّ الصَّوْمَ لَهُ	صحیح مسلم	13
3	فَنَعَسَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَالَ عَنْ رَاحِلَتِهِ، فَأَتَيْتُهُ فَدَعَمْتُهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ أُوقِظَهُ	صحیح مسلم	22
4	مَنْ لَطَمَ مَمْلُوكَهُ أَوْ ضَرَبَهُ، فَكَفَّارَتُهُ أَنْ يُعْتِقَهُ	صحیح مسلم	26
5	الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ	صحیح مسلم	73
6	وَالْإِثْمُ ما حَاكَ فِي نَفْسِكَ، وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ	صحیح مسلم	74
7	كَفَّارَةُ النَّذْرِ، كَفَّارَةُ الْيَمِينِ	صحیح مسلم	21
8	«مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ فَلْيَتَصَدَّقْ بِدِينَارٍ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَبِنِصْفِ دِينَارٍ»	سنن ابو داود	23
9	فَسَمَّانَا بِاسْمٍ هُوَ أَحْسَنُ مِنْهُ، فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ، إِنَّ الْبَيْعَ يَحْضُرُهُ اللَّغْوُ وَالْحَلِفُ، فَشُوبُوهُ بِالصَّدَقَةِ	سنن ابو داود	27
10	«يُوشِكُ الْأُمَمُ أَنْ تَدَاعَى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْأَكَلَةُ إِلَى قَصْعَتِهَا	سنن ابو داود	89
11	فَقَالَ قَبْلَ أَنْ يَقُومَ مِنْ مَجْلِسِهِ ذَلِكَ: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ، إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا كَانَ فِي مَجْلِسِهِ ذَلِكَ "	سنن ترمذی	28
12	فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ، فَإِنَّ الصَّوْمَ لَهُ	سنن ترمذی	16
13	وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ عَلَيْهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ	سنن ترمذی	93
14	الرَّجْمُ كَفَّارَةُ مَا صَنَعَتْ	سنن الکبری	93
15	إِنَّ مِنْ كَفَّارَةِ الْغِيبَةِ أَنْ تَسْتَغْفِرَ لِمَنِ اغْتَبْتَهُ تَقُولُ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلَهُ	مشکاۃ المصابیح	28

فہرست مصادر و مراجع

1. ابن منظور، الافریقی، لسان العرب، (ایران، نشر ادب الحوزة، 2005)
2. ابن منظور، الافریقی، محمد بن مکرم، لسان اللسان، (ایران، دار الکتب العلمیہ، 1993)
3. ابن حجر، العسقلانی، فتح الباری فی شرح البخاری (بیروت، دار الکتب العلمیہ، 2005)
4. ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایہ والنھایہ (القاھرة، مطبعة السعادة، 1998)
5. ابن قدامہ، عبد اللہ بن احمد، المغنی، (القاہرہ، مطبعة السعادة، 2001)
6. ابن نجیم، المصری، البحر الرائق شرح کنز الدقائق (بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1997)
7. ابن ھمام، الحنفی، محمد بن عبد الواحد السیواسی، فتح القدیر، (بیروت، دار الکتب العلمیہ، 2003)
8. احمد بن حنبل، الامام، مسند احمد، (لاہور، مکتبہ رحمانیہ، 2001)
9. بیضاوی، ناصر الدین، انوار التنزیل واسرار التاویل (بیروت، دار الکتب العلمیہ، 2006)
10. بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح المسند المختصر من احادیث الرسول (بیروت، دار ابن کثیر 2002)
11. بلخی، نظام الدین، فتاوی ہندیہ، (لاہور، مکتبہ رحمانیہ، 1426)
12. ترمذی، محمد بن عیسیٰ، الجامع الترمذی، (بیروت، دار التراث، 2009)
13. جرجانی، محمد بن علی، التعریفات، (بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1983)
14. حیدر، ذوالقرنین، سماجی تبدیلی اور اسلامی فکر (لاہور، رفیق منزل، 2021)
15. حصکفی، علاء الدین، علی بن محمد، الدر المختار فی شرح تنویر الابصار (بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1999)
16. دہلوی، سید احمد، فرہنگ آصفیہ (پاکستان، الفیصل، 1902)
17. ڈار، بشیر احمد، فلسفہ اخلاق، (لاہور، ثقافت اسلامیہ، 1958)
18. ڈار، شاہد حسین، اسلام اور کلچر (ریسرچ اسکالر سینٹرل یونیورسٹی سری نگر کشمیر 11 جنوری 2020)
19. راغب الاسفہانی، الامام، المفردات فی غریب القران، (لاہور، المکتبہ القاسمیہ، 1963)
20. زمخشری، محمود بن عمر، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، (بیروت، دار الکتب العربی، 2008)
21. زحیلی، وھبة بن مصطفی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، (کراچی، دار الاشاعت، 2004)
22. زبیدی، علی بن محمد، الجوھرة النیرة (لبنان، دار الکتب العلمیہ، 2006)
23. سجستانی، سلیمان بن الاشعث، سنن ابو داود، (انقرہ، دار الکتب انقرہ، 2005)
24. سماجی تغیر و تبدل، روزنامہ انصاف، (لاہور، 28 فروری 2018)

25. شهاب الدین محمود، آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم،(بیروت، دار احیا التراث العربی،1902)

26. صاحبزادہ، ساجد الرحمان، اسلامی معاشرہ کی تاسیس و تشکیل(اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی،1997)

27. طبری، محمد بن جریر، جامع البیان عن تاویل آی القرآن،(القاھرۃ، مکتبہ الاسلامیہ،2001)

28. علی بن ابو بکر، الامام، الھدایہ،(لاہور، دار الکتب العلمیہ،2011)

29. عبد الرزاق، البدر، فقہ الادعیۃ والاذکار،(الکویت، دار الفضیلہ،2002)

30. عبد الواحد، غرر الحکم ودرر الکلم(بیروت، دار الھادی،1983)

31. علوی، نذیر احمد، بڑے عذاب کا ڈر(لاہور، ضیا القرآن پبلیکیشنز،2013)

32. قرطبی، محمد بن احمد الخزرجی، الجامع لاحکام القرآن(لاہور، ضیا القرآن پبلیکیشنز،2012)

33. قشیری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم،(بیروت، مکتبہ العلمیہ،1994)

34. قزوینی، ابو عبد اللہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ (داراحیاء الکتب العربی,1997)

35. کاسانی، ابو بکر بن مسعود، البدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع،(بیروت، دار الکتب العلمیہ،2005)

36. منور شباب، السلفی، کفارۃ الذنب الندامۃ(بیروت، موسسۃ الرسالۃ،1986)

37. معصومی، ڈاکٹر محمد اویس، کفارہ کا اسلامی تصور(پاکستان، تلاش حق فاونڈیشن،2016)

38. مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار،(بیروت، داراحیا التراث العربی،1403)

39. مودودی، سید ابو الاعلیٰ، تفہیم القران،(لاہور، اسلامی پبلیشرز،1973)

40. مودودی، سید ابو الاعلیٰ، اسلام کا نظام حیات،(لاہور، اسلامک پبلیکیشنز،1948)

41. میدانی، عبد الغنی، اللباب فی شرح الکتاب،(لبنان، المکتبۃ العلمیہ،2014)

42. محمد بن علی، الامام، الفتوحات المکیہ،(بیروت، دار الکتب العلمیہ،2006)

43. نووی، یحیی بن شرف، کتاب الاذکار(بیروت، دار البیان،1993)

44. نسائی، احمد بن شعیب، سنن النسائی،(بیروت، دار التراث،2009)

45. نجفی، محمد حسن، جواھر الکلام فی شرح شرائع الاسلام(نجف، موسسۃ التاریخ العربی،1960)

46. النووی، یحیی بن شرف ،المجموع شرح المھذب،(جدہ، مکتبۃ الارشاد،1860)

47. ھیثمی، ابن حجر، الزواجر عن اقتراف الکبائر،(القاھرۃ، مطبعۃ حجازی،1888)

48. ھندی، محمد سلمان، معتصر الضروری علی شرح مختصر القدوری،(بیروت، مکتبہ العلمی،2007)